معارف کا زرِ تعاون

ہندوستان میں سالانہ ساٹھ روپیے — فی شمارہ پانچ روپیے

پاکستان میں سالانہ ایک سو پچاس روپیے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پندرہ پونڈ یا چوبیس ڈالر

بحری ڈاک پانچ پونڈ یا آٹھ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ :۔ حافظ محمد یحیی شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

کمیشن ۲۵٪ ہوگا ——— رقم پیشگی آنی چاہیے۔

جلد ۱۵۵ ماہ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۹۵ء عدد ۲

مضامین

شذرات

ہندوستان میں مسلمانوں کے حالات روز بروز بدتر ہوتے جارہے ہیں، انکی معاشی اور تعلیمی پسماندگی کا چرچا ہر زبان پر ہے لیکن کیا انکی دینی و اخلاقی حالت کم ابتر ہے، ایمان میں کمزوری، عقیدے میں خلل اور مذہب سے بعد بڑھتا جارہا ہے، توحید خالص کا تصور کفر و شرک کے دھندلکوں میں گم ہوتا جارہا ہے، سماجی اور سیاسی حیثیت سے مسلمان نہایت بے وزن اور بے قیمت ہوگئے ہیں، سرکاری ملازمتوں، اعلیٰ عہدوں، ریاستی اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں ان کی نمائندگی بہت کم ہوگئی ہے، سیاسی جماعتیں ان کے ساتھ مسلسل مکاری اور فریب سے کام لیتی رہی ہیں اور انکی کمزوری و مجبوری کی بنا پر ان کا استحصال کرتی رہی ہیں، مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی ان کے معابد اور شعائر دین کی توہین اور خود مسلمانوں کا تمسخر اور مذاق اڑانا ان کا شیوہ بن گیا ہے، اس صورت حال کی ذمہ داری سے گو مسلمان بھی بری نہیں ہیں، تاہم ان کے ساتھ ہونیوالی ناانصافی اور زیادتی میں حکومت کے رویے کو بڑا دخل ہے

مسلمانوں کو اپنی قومی پستی اور ملی زبوں حالی کا احساس ہے لیکن وہ اپنے مسائل کو سلجھانے کی جو کوششیں بھی کرتے ہیں وہ رائگاں جاتی ہیں، تاہم اسے بخت و اتفاق کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مسلمانوں نے اپنے حالات و معاملات کی اصلاح کے لیے گوناگوں کوششیں کیں، کانفرنس اور اجتماعات کیے، انجمنیں اور ادارے قائم کیے، تحریکیں چلائیں اور جماعتیں بنائیں، تجویزیں منظور کیں اور منصوبے وضع کیے، لیکن یہ سب باد حوادث کی نذر ہوگئے، نہ مسلمانوں کی حالت درست ہوئی اور نہ انکا انتشار اور پراگندگی دور ہوئی، نیت کے فتور، ایثار و اخلاص اور محنت و لگن کی کمی نے انہیں پنپنے اور بڑھنے ہی نہ دیا، یا ان کی کج اندیشی، بدتدبیری اور ناعاقبت بینی رکاوٹ بن گئی یا اغیار کی سازشوں نے انکا گلا گھونٹ دیا، کچھ لوگ تو اپنی سادہ لوحی سے دوسروں

کے دھوکے میں آگئے اور کچھ شعوری طور پر ان کے پیچھے لگ گئے، کچھ لوگوں کی خود غرضی، حقیر فائدہ اور سستی شہرت طلبی بھی مانع راہ ہوئی، بابری مسجد کی بازیابی کی تحریکیں بھی خود غرضی اور نفع اندوزی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھادی گئیں۔

اسی پس منظر میں ایک نئی آل انڈیا مسلم کانفرنس ۲۸ و ۲۹ جنوری کو کلکتہ میں بڑے اہتمام سے ہوئی۔ اس کے کنوینر جناب احمد سعید ملیح آبادی اڈیٹر آزاد ہند اور مجلس استقبالیہ کے چیرمین جناب کلیم الدین شمس وزیر حکومت مغربی بنگال تھے، اس کا افتتاح آل انڈیا فارورڈ بلاک کے جنرل سکریٹری جناب چتو باسو ایم۔ پی نے کیا اور پہلے روز کے جلسہ کی صدارت جناب سید مظفر حسین برنی سابق گورنر ہریانہ اور دوسرے روز کی صدارت پروفیسر علی محمد خسرو چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے کی۔ جسٹس سردار علی خاں چیرمین قومی اقلیتی کمیشن مہمان خاص تھے جموں و کشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ، مرکزی وزیر غلام نبی آزاد، نیشنل کانفرنس کے چیرمین پروفیسر سیف الدین سوز، ممبر پارلیمنٹ جناب سید شہاب الدین اور پارلیمنٹ اور ریاستی اسمبلیوں کے متعدد ارکان کے علاوہ کرناٹک اور آندھرا پردیش کے بعض مسلم وزرا بھی کانفرنس میں شریک ہوئے۔

اس دو روزہ کانفرنس میں پانچ اہم تجویزیں منظور کی گئیں، سیاسی قرارداد میں کہا گیا ہے کہ مسلمان فرقہ پرستی کے خلاف سیکولرازم کی فضا بحال کرنے کے لیے آگے بڑھیں اور قومی سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، اقلیتوں کے لیے دستوری ضابطہ اور فلاحی پروگرام شروع کیے جائیں، بابری مسجد کو اصل جگہ تعمیر کیا جائے، ووٹر لسٹ سے خارج مسلمانوں کے نام دوبارہ درج کیے جائیں، فرقہ وارانہ فضا خراب کرنے والوں کے خلاف کارروائی کیجائے۔ مسلمانوں کی سماجی، معاشی اور تعلیمی ترقی پر توجہ دی جائے اور تعلیمی اداروں اور سرکاری

ملازمتوں میں ان کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے ان کو ریزرویشن دیا جائے، خاص مغربی بنگال کے مسلمانوں کے لیے بھی سرکاری اور پبلک اداروں میں مناسب نمایندگی اور غریب ومتوسط طبقوں کی رہایش کے بندوبست کا مطالبہ کیا گیا، کشمیر میں قتل وتشدد بند کیے جانے کے موثر اقدام پر زور دیا گیا اور اس کی خصوصی پوزیشن بحال کی جانے کی مانگ کی گئی۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی سربراہی میں مسلم فورم کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور اس کی ایڈہاک کمیٹی کے ۱۳ ارکان کے ناموں کا اعلان بھی ہوا۔

کانفرنس میں مختلف طبقہ ومسلک کے لوگ شریک ہوئے جن کے خیالات یکساں نہیں تھے بلکہ بعض نے اپنی پارٹیوں اور لیڈروں کے گن گائے اور بعض نے خود اپنے کارنامے بھی گنائے تاہم سب نے اپنے انداز سے مسلمانوں کو پستی سے نکالنے اور عزت ووقار عطا کرنے کی بات کی اور ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا اعتراف کیا اور ملک وملت کے مفاد پر مبنی تجویزوں کو اتفاق رائے سے منظور کیا، دعا ہے کہ جناب کلیم الدین شمس اور جناب احمد سعید ملیح آبادی جیسے دردمند اور فعال لوگوں کی یہ کوشش رائگاں نہ جائے اور اس کا حشر دوسری کانفرنسوں اور تحریکوں جیسا نہ ہو بلکہ اس سے ملک وملت کی فلاح وبہبود کے ایک نئے دور کا آغاز ہو۔

اترپردیش کے وزیراعلیٰ مسٹر ملائم سنگھ یادو نے اردو کو روزی روٹی سے جوڑنے کا جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کردیا، اس کے لیے ہم انہیں مبارکباد دیتے ہیں، وزیراعلیٰ کی اس اردو نوازی کے مقابلے میں سرکاری ملازمین اردو ٹیچروں اور مترجموں کو پریشان کرکے اپنی تنگ نظری اور اردو دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

مقالات

امام رازی کی تفسیر کبیر میں ربط آیات

از ضیاء الدین اصلاحی

(۲)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ (۱۶۴) کی تفسیر میں امام رازی صاحب لکھتے ہیں:

"جب اللہ نے اس سے پہلے کی آیت میں اپنی فردانیت ووحدانیت ثابت کی تو اب اس کے آٹھ طرح کے دلائل بیان کیے ہیں جن سے پہلے اللہ کے وجود پر استدلال کیا جاسکتا ہے پھر اس کی توحید اور شرکاء سے بری ہونے پر۔" (جلد ا ص ۵۸۳)

آگے ان دلائل کی شرح وتفصیل کی ہے یہاں نظم وربط سے متعلق امام صاحب کا خیال نقل کرنا مقصود تھا۔ اس کے بعد کی آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا (۱۶۵) کا نظم وربط اس طرح بتاتے ہیں:

"یہ جان لو کہ جب اللہ تعالیٰ نے توحید کو قاہر وقطعی دلائل سے ثابت کردیا تو اس کے بعد توحید کے مخالف چیز کی قباحت وشناعت بیان کی کیونکہ مخالف چیز کی تقبیح سے اصل چیز کا حسن اچھی طرح نمایاں ہوجاتا ہے، اسی لیے شاعر نے کہا ہے ع وبضدھا تتبین الاشیاء (ج ا ص ۵۹۹)

اس کے بعد کی آیت اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا الخ (۱۶۶) کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جب اللہ کا شریک بنانے والوں کا حال یہ کہہ کر وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ تہدیداً بیان کیا تھا تو یہاں یہ بات لاکر اس کی مزید تاکید کی گئی اور یہ بتایا گیا کہ

جو لوگ انہی معبودان باطل اور شرکاء کی عبادت میں اپنی عمریں گنوا دیتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ان کی نجات کا اہم ذریعہ ہوں گے جب کہ ضرورت پڑنے پر یہ شرکاء بالکل الگ ہو جائیں گے' قرآن مجید میں اس کے متعدد نظائر موجود ہیں مثلاً یَکْفُرُ بَعْضُکُمْ بِبَعْضٍ وَّیَلْعَنُ بَعْضُکُمْ بَعْضًا یا کہا گیا ہے کہ اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ ایک اور جگہ کہا گیا کہ کُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا الخ ایک جگہ ابلیس کا یہ قول نقل ہوا ہے اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ۔" (ج ۱ ص ۶۰۳)

یٰاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ الخ (۱۶۸) کے تحت لکھتے ہیں:

"جب توحید اور اس کے دلائل نیز موحدین کو ملنے والے ثواب کا ذکر ہو چکا تو اس کے بعد شرک اور ان لوگوں کا ذکر کیا جو اللہ کے بجائے انداد کو معبود بناتے ہیں اور رؤسائے کفار کی اتباع کرتے ہیں' اس کے بعد دونوں فریقوں پر اپنے انعام و احسان کا ذکر کیا اور یہ بتایا کہ کسی شخص کی معصیت اور اس کے کفر سے اللہ اس سے اپنی نعمتوں اور احسانات کو ختم نہیں کر دیتا۔" (ج ۱ ص ۶۰۵)

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ الخ (۱۷۱) کے متعلق رقمطراز ہیں:

"اوپر کفار کے متعلق یہ بیان کیا گیا تھا کہ جب انہیں خدا کی ہدایت کی پیروی کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ نظر و تدبر سے کام نہیں لیتے' اور تقلید سے وابستہ رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آباء و اجداد کی پیروی کریں گے' اب اس آیت میں ان کی تمثیل بیان کی گئی ہے تاکہ سننے والے کو تنبیہ ہو کہ یہ لوگ اس حال میں اس لیے پڑ گئے ہیں کہ وہ دین کے معاملہ میں بے توجہی اور بے پروائی اختیار کیے ہوئے تھے اسی طرح کافروں کو بھی اپنی حقارت کا اندازہ ہوگا کہ آدمی جب خدا کی ہدایت کے معاملہ میں بے نیازی سے کام لیتا ہے اور محض تقلید کی روش اختیار

کرتا ہے تو وہ چوپایوں کے مانند ہو جاتا ہے' اس طرح یہ آیت ان کے حق میں زجر و توبیخ ہوگی۔" (ج ۱ ص ۶۰۸)

آگے آیت (۱۷۲) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا ... کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ آیت "کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا" کے مشابہ ہے جس کا پہلے تذکرہ ہوا تھا، سورہ کی ابتدا سے یہاں تک توحید و نبوت کے دلائل پر گفتگو کی تھی اور یہود و نصاریٰ کے رد میں استقصا سے کام لیا تھا، اب یہاں سے احکام کا بیان شروع ہو رہا ہے۔" (ج ۱ ص ۶۰۹)

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ الخ (۱۷۳) کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو ماسبق آیت میں حلال کھانے کا حکم دیا تھا تو اب اس آیت میں انواع حرام کی تفصیل کی ہے۔" (ج ۱ ص ۶۰۹)

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ الخ (۱۷۵) کا تعلق پہلے کی آیت سے یہ بتاتے ہیں کہ:

"جب اللہ تعالیٰ نے یہود کے کتمان حق کو بیان کر کے اس پر ان کی شدید وعید کا ذکر کیا تو اس آیت میں ان کے جرم کو بیان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سخت عقاب اسی عظیم جرم کی بنا پر ہے۔" (ج ۱ ص ۶۲۰)

آیت وصیت کے بعد کی آیت فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ الخ (۱۸۱) وارد ہے امام صاحب لکھتے ہیں:

"جب وصیت کا حکم' اس کا وجوب اور اس کی عظمت و اہمیت بیان کی تو اسی کے بعد اس میں تغیر و تبدل کی وعید بھی بیان کر دی۔" (ج ۱ ص ۶۴۱)

اس کے بعد یہ آیت آتی ہے فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا الخ (۱۸۲) اس کے

متعلق فرماتے ہیں:

"جب وصیت تبدیل کرنے والے کو اللہ نے دھمکی دی تو اسی کے بعد یہ بھی واضح کر دیا کہ تبدیل سے مراد یہ ہے کہ وصیت کو حق سے پھیر کر باطل میں بدل دیا جائے لیکن اگر اصلاح کے خیال سے اسے باطل سے پھیر کر حق کی جانب کر دے تو یہ ایک اچھا اور بہتر کام ہوگا اور یہی آیت کی مراد ہے۔" (ج ۱ ص ۶۴۲)

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الخ (۱۹۰) کے متعلق لکھتے ہیں:

"اللہ نے استقامت اور معرفت الٰہی کی راہ میں آیت متقدمہ (لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ الخ) میں تقویٰ کا حکم دیا تھا اور اللہ کی اطاعت کی راہ میں تقویٰ محظورات کے ترک اور واجبات کی ادائی سے عبارت ہے، اس طرح استقامت علم اور تقویٰ عمل ہے اور تکلیف انہی دونوں میں ہے پس جب تقویٰ کا حکم دیا تو اس آیت میں اس کی سب سے سخت اور نفس پر شاق گزرنے والی قسم کا ذکر کیا یعنی اللہ کے دشمنوں کا قتل۔" (ج ۱ ص ۶۷۹)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ الخ (۲۰۴) کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"جب اللہ نے یہ بیان کیا کہ مشاعر حج میں حاضر ہونے والے دو طرح کے گروہ ہوتے ہیں ایک کافر جو کہتے ہیں رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا اور دوسرا فریق مسلمانوں کا ہے جو کہتا ہے رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً، اس کے بعد منافق باقی رہ گئے تھے تو ان کا ذکر اس آیت میں ہے، یہاں ان کے اوصاف و افعال کی شرح کی ہے، یہ تو آیت کے نظم سے متعلق بات ہوئی۔" (ج ۱ ص ۷۰۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (۲۰۸) کے بارے میں فرماتے ہیں:

"منافقین کی حکایت بیان کرتے ہوئے اللہ نے بتایا تھا کہ ان کی تگ و دو فساد فی الارض اور حرث و نسل کی بربادی کے لیے ہوتی ہے اس لیے اب مسلمانوں کو اس کے بالکل برعکس باتوں کا حکم دیا کہ وہ اسلام اور اس کے شرائع کی موافقت و اتباع کریں۔" (ج ۱ ص ۷۲۶)

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الخ (۲۱۲) کا نظم ملاحظہ ہو:

"اس سے پہلے ان لوگوں کی حالت بیان ہوئی تھی جو اللہ کی نعمت پانے کے بعد اسے بدل ڈالتے ہیں اور یہ دراصل وہی کفار ہیں جو دلائل کو جھٹلاتے اور انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں اور آیات الٰہی سے انحراف کرتے ہیں، اس کے بعد اس آیت میں اس سبب کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے انکا یہ طریقہ بن گیا ہے۔" (ج ۱ ص ۷۳۴)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (۲۱۳) کی ترتیب نظم امام صاحب نے اس طرح بیان کی ہے:

"پہلے یہ بیان کیا تھا کہ اپنے کفر پر کفار کے اصرار کا سبب دنیا کی محبت ہے، اس آیت میں یہ بتایا کہ یہ چیز اسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ پہلے زمانے میں بھی ایسا ہی تھا کیونکہ لوگ امت واحدہ اور حق پہ قائم تھے پھر انہوں نے اختلاف کیا اور انکا اختلاف بغی باہمی حسد اور دنیا کی محبت میں باہمی تنازع کی بنا پر تھا یہ ترتیب نظم سے متعلق کلام تھا۔" (ج ۱ ص ۷۳۸)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ (۲۱۴) کے نظم کی دو صورتیں بیان کی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ گذشتہ آیت میں وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ فرمایا تھا جس سے مراد یہ تھی کہ اللہ جسے چاہتا ہے حق و جنت کی طلب کی ہدایت کرتا ہے اور اس آیت میں یہ بیان کر رہا ہے کہ یہ طلب تکلیف شرعی میں شدائد کے تحمل کے بغیر مکمل

نہیں ہوتی چنانچہ فرمایا اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ نظم کی دوسری صورت یہ ہے
کہ "پچھلی آیت میں واضح کیا تھا کہ حق کے بارے میں انہوں نے جو اختلافات کیے ان میں اللہ
نے اپنے اذن سے ان کو ہدایت بخشی اور اس آیت میں یہ بیان کیا کہ اس ہدایت کے بعد وہ حق
کو قائم کرنے میں شدائد انگیز کرتے ہیں اور ابتلا میں صبر کرتے ہیں، ایسے ہی تم بھی اے اصحابِ
محمدؐ اسی وقت دینی فضیلت کے مستحق ہوگے جب ان آزمائشوں اور مشقتوں کو جھیلو۔" (ج ۱ ص ۴۴)

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ الخ (۲۱۵) کا نظم کلام اس طرح بیان کیا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے جب پوری قوت اور زور سے یہ بیان کیا کہ ہر مکلف کو طلب عاجل
(دنیا) سے اعراض کرے اور طلب آجل (آخرت) میں اشتغال رکھے اور اس کے لیے
وہ جان و مال کی قربانی دے، اس کے بعد احکام کے بیان کا سلسلہ اس آیت سے
شروع کیا جو اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا الخ تک چلا گیا ہے اور قرآن مجید کی عادت
اور طریقہ یہ ہے کہ اس میں توحید، وعظ و پند اور احکام کا بیان باہم مخلوط ہوتا ہے
تاکہ ان میں سے ہر چیز دوسرے کے لیے تقویت و تاکید کا باعث ہو۔" (ج ۱ ص ۴۵)

اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا الخ (۲۱۸) کے ماقبل سے تعلق کے دو پہلو بتاتے ہیں:

"۱۔ عبداللہ بن جحش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں کہ فرض کیجئے ہمارے گزشتہ
کاموں کی ہم کو سزا نہیں ہوئی تو کیا ہم اس بارے میں اجر و ثواب کی طمع کریں تو یہ
آیت اتری کیونکہ عبداللہ مومن و مہاجر تھے اب اس جہاد کی وجہ سے وہ مجاہد
بھی ہو گئے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جب اللہ نے اس سے پہلے جہاد کو یہ کہہ کر کُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ الخ واجب قرار دیا تھا اور اس کے ترک کو وعید کا سبب قرار دیا تھا تو اسکے

بعد اسے قائم کرنے والوں کا ذکر کیا ہے اور جب بھی کوئی وعید موجود ہوتی ہے تو اسکے پیچھے وعدہ
کا بھی ذکر ہوتا ہے (ج ۱ ص ۵۴)

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ (۲۲۸) کے تحت لکھتے ہیں:

"جان لو کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے طلاق کے متعدد احکام بیان کیے ہیں پہلا حکم طلاق کے لیے
وجوب عدت کا ہے" (ج ۱ ص ۸۱)

آگے تفصیل سے بتایا ہے کہ کس طلاق میں کتنی عدت ہوتی ہے اور کس میں نہیں ہوتی لیکن
اس کا تعلق اس موضوع سے نہیں ہے اس لیے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ (۲۲۸) کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ طلاق کے بارے میں دوسرا
حکم ہے اور طلاق سے رجعی طلاق مراد ہے (ج ۱ ص ۸۵)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (۲۲۹) کے متعلق بتاتے ہیں کہ یہ طلاق کے سلسلہ کا تیسرا حکم ہے اور
اس طلاق میں رجعت ثابت ہوتی ہے (ج ۱ ص ۸۷)

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا الخ (۲۲۹) کو طلاق کا چوتھا حکم بتایا ہے جس میں خلع
کا بیان ہے (ج ۱ ص ۸۹) پھر فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ الخ (۲۳۰) کو طلاق کا پانچواں
حکم بتایا ہے اور اسے تیسری طلاق بتایا ہے جو رجعت کے حکم کی قاطع ہوتی ہے (ج ۱ ص ۹۱)
اور وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ (۲۳۲) کو چھٹا حکم طلاق بتا کر کہا ہے کہ یہ
عدت کے ختم ہونے کے بعد کی مطلقہ عورت کا حکم ہے (ج ۱ ص ۹۶)

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ (۲۳۳) کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"پہلے ماں کا حکم بیان کیا تھا کہ وہ رضاع کی زیادہ مستحق ہے، اب یہاں یہ واضح
کیا کہ اس معاملہ میں ماں کو چھوڑ کر دوسری عورت سے دودھ پلوانا جائز ہے (ج ۱ ص ۱۰۳)

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ الخ (۲۳۷) کے متعلق یہ وضاحت کرتے ہیں:

"جب غیر ممسوسہ (جو ہاتھ نہ لگائی گئی ہو) مطلقہ کے حکم کا ذکر ہو چکا جس کی کوئی مہر مقرر نہیں کی گئی تھی تو یہاں بے ہاتھ لگائی ہوئی اس مطلقہ کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کی مہر متعین کر دی گئی ہو۔" (ج ا ص ۸۱۲)

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی (۲۳۸) کا نظم اس طرح بیان کیا ہے:

"جب اللہ تعالیٰ نے مکلفین کے لیے اپنے دین کی شاہراہوں اور اپنی شریعت کے احکام کو واضح کر دیا تو اس کے بعد ان وجوہ سے نمازوں کی محافظت کا حکم دیا۔

(۱) نماز کی قرأت، قیام، رکوع، سجود اور خضوع و خشوع اللہ کی ہیبت سے قلب میں انکسار پیدا کرنے اور طبیعت سے تمرد کو زائل کرنے کے لیے مفید ہوتا ہے، اسی سے اوامر الٰہی کے لیے انقیاد اور منہیات سے رکنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔

(۲) نماز بندے کو ربوبیت کی جلالت، عبودیت کی ذلت اور ثواب و عقاب کے معاملہ کو یاد دلاتی ہے، اس وقت بندے کو طاعت کے لیے انقیاد سہل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔

(۳) نکاح، طلاق اور عدت وغیرہ کے متعلق جو بیان پہلے گزرا ہے وہ مصالح دنیا سے اشتغال ہے، اس کے بعد نماز کا ذکر کیا جو مصالح آخرت سے تعلق رکھتی ہے۔" (ج ا ص ۸۱۵)

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا (۲۳۹) کے متعلق فرماتے ہیں:

"جب نمازوں کی محافظت اور ان کے ارکان و شروط کے ساتھ ان کی ادائیگی و قیام

کو واجب قرار دیا تو اس کی بعد یہ بھی واضح کر دیا کہ اس حد تک محافظت امن کی حالت میں ضروری ہے، خوف و دہشت میں یہ محافظت ضروری نہیں ہے۔" (ج ا ص ۸۲۲)

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ الخ (۲۴۳) کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ:

"قرآن مجید میں عادۃ اللہ یہ ہے کہ احکام کے بعد وہ واقعات و قصص اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ سننے والے کو عبرت حاصل ہو اور یہی عبرت تمرد و عناد چھوڑنے اور مزید خضوع و انقیاد اختیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔" (ج ا ص ۸۲۴)

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ الخ (۲۴۵) کے بارے میں لکھا ہے:

"قتال فی سبیل اللہ کے بعد یہ کہنے کے بارے میں مفسرین کے دو اقوال ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت اپنے ماقبل سے متعلق ہے اور اس سے خاص طور پر جہاد کا فرض مراد ہے اس لیے جہاد سے معذور آدمی کے لیے مندوب یہ ہے کہ جہاد پر قادر محتاج شخص پر خرچ کرے اور جہاد پر قادر شخص کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ راہِ جہاد میں اپنے اوپر خرچ کرے وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ کہہ کر اس کی مزید تاکید کی گئی ہے کیونکہ جو شخص اس حقیقت کو جان لے گا اس کا اعتماد اللہ کے فضل کے اوپر اپنے مال پر اعتماد کرنے سے زیادہ ہوگا اور یہی چیز اسے دعوت دے گی کہ وہ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرے اور بخل سے احتراز کرے، مفسرین کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ از سرنو ایک بات کہی گئی ہے اور اس کا کوئی تعلق ماقبل سے نہیں ہے، یہ کہنے والے مفسرین کی مختلف رائیں ہیں۔" (ج ا ص ۸۲۷)

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (۲۴۶) کا ماسبق سے تعلق یہ بتایا ہے کہ:

"وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ" کہہ کر اللہ نے قتال کو فرض قرار دیا ہے پھر اس نے

ہیں، انفاق کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس قتال کی تاثیر میں اس کا خاص دخل ہے' اسکے بعد بنی اسرائیل کا یہ واقعہ بیان کیا کہ انہیں جب قتال کا حکم دیا گیا تو انہوں نے خدا کے اس حکم کی خلاف ورزی کی اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اور انکی جانب ظلم کو منسوب کیا' اس سے مقصود یہ ہے کہ اس امت میں جن لوگوں کو قتال کا حکم دیا گیا ہے وہ اس کی مخالفت کی جسارت نہ کریں بلکہ ہمیشہ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ قتال کو اپنا شعار بنالیں"۔ (ج ۱ ص ۸۲۹)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ (۲۴۷) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"پہلی آیت میں یہ بیان کیا تھا کہ اللہ نے ان کے سوال کا جواب دیا مگر وہ روگردانی کر گئے اب یہ بیان کیا ہے کہ ان کی پہلی روگردانی یہ تھی کہ انہوں نے طالوت کی امارت کا انکار کیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نبی سے فرمایش کی تھی کہ وہ اللہ سے انکے لیے ایک امیر مقرر کرا دیں چنانچہ اللہ نے ان کے لیے طالوت کو امیر مقرر کر دیا تھا" (ج ۱ ص ۸۳۰)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الخ (۲۵۳) کا نظم اس طرح بیان کیا ہے:

"اس آیت کے ماقبل سے تعلق کی صورت ابومسلم نے یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کو انبیائے سابقین اور ان کی قوموں کے اخبار و واقعات سے آگاہ کیا مثلاً حضرت موسیٰؑ کی قوم نے ان سے سوال کیا کہ أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً یا اجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ یا حضرت عیسیٰؑ کی قوم نے اللہ کے اذن سے ان کے احیائے موتی اور ابرائے اکمہ و ابرص کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی ان کی تکذیب کی اور ان کو قتل کرنے کا قصد کیا، اس طرح انکی قوم کا ایک گروہ تو کفر پر قائم رہا اور یہ یہود تھے، دوسرے گروہ نے گمان کیا کہ وہ حضرت مسیحؑ کے اولیاء میں سے ہیں اور انہوں نے یہود پر انہیں قتل کرنے اور مصلوب کرنے کا الزام لگایا جس کو اللہ نے جھوٹ قرار دیا ہے یا مثلاً بنی اسرائیل نے طالوت پر حسد کیا اور ان کی امارت کا خود سوال کرنے کے باوجود اس کا انکار کر دیا۔ اسی طرح ابتلائے نہر کا واقعہ۔ ان سب سے اللہ نے اپنے رسول کو تسلی دی ہے کیونکہ آپؐ کو بھی اپنی قوم کی تکذیب و حسد کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا چنانچہ کہا ان رسولوں میں سے بعض سے اس نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند کیے اور حضرت عیسیٰؑ کی تائید روح القدس سے کی، ان سب کو ان کی قوم کے معجزات کے مشاہدہ کے باوجود یہ سب کچھ پیش آیا، آپؐ بھی ان ہی کی طرح سے ایک رسول ہیں اس لیے آپ کو اپنی قوم کی طرف سے جو کچھ پیش آرہا ہے اس پر حزن و ملال نہ کیجیے اگر اللہ چاہتا تو آپ کا اور انکا اختلاف نہ ہو مگر اللہ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ ہو کر رہے گا غرض اس کلام کا مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قوم کی ایذا پر تسلی دینا ہے"۔ (ج ۲ ص ۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا الخ (۲۵۴) میں نظم کی صورت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جان لو کہ انسان کے لیے سب سے دشوار اور سخت کام قتال میں جان قربان کرنا اور انفاق میں مال خرچ کرنا ہے، پہلے قتال کے حکم کو بیان کیا پھر انفاق کا حکم دیا۔ نظم کلام کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ پہلے وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ کہہ کر قتال کا حکم دیا پھر مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ کہا جس کا مقصد جہاد میں انفاق مال ہے پھر دوبارہ قتال کے حکم کو طالوت کا قصہ بیان کر کے موکد کیا، پھر اس کے بعد اس آیت میں جہاد میں انفاق کا حکم دیا"۔ (ج ۲ ص ۹)

آخر میں لکھتے ہیں "جب تم نظم کی صورت سے واقف ہو گئے تو ہم کہتے ہیں کہ آیت میں چند

مسائل ہیں (ج ۲ ص ۹)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الخ (۲۵۵) کے سلسلے میں امام صاحب کی یہ تقریر قابلِ ملاحظہ ہے:

"اس کتاب کریم میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تینوں قسموں علم التوحید، علم احکام اور علم قصص کو ایک دوسرے سے مخلوط کر کے بیان کرتا ہے، واقعات و قصص کو بیان کرنے کا مقصد یا تو توحید کے دلائل کا اثبات ہے یا احکام و تکالیف کو لازم قرار دینے میں انتہائی زور و مبالغہ کرنا ہوتا ہے، انسان کو ایک ہی نوع پر باقی رکھنے کے مقابلہ میں یہ طریقہ نہایت عمدہ ہوتا ہے اور ایک ہی حال پر رہنے سے آدمی میں اکتاہٹ اور گھبراہٹ ہو جاتی ہے لیکن جب وہ علوم کی ایک نوع سے دوسری نوع میں منتقل ہوتا ہے تو گویا اسے شرح صدر ہو جاتا ہے اور اس کا دل فرحت محسوس کرتا ہے گویا وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتا ہے اور ایک باغ و چمن سے دوسرے باغ و چمن میں پہنچتا ہے، ایک لذیذ کھانا کھانے کے بعد دوسری طرح کا کھاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ زیادہ لذت و اشتہا بخش ہوتا ہے، چونکہ حسب موقع و مصلحت اللہ نے پہلے علم احکام و علم قصص بیان کیے تھے تو اب علم توحید سے متعلق چیز کا بیان ہو رہا ہے۔" (ج ۲ ص ۱۰)

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (۲۵۶) کا مفہوم ابو مسلم اور قفال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اللہ نے ایمان کی بنیاد زور اور زبردستی پر نہیں رکھی ہے بلکہ تمکن و اختیار پر رکھی ہے پھر قفال کی یہ تعبیر نقل کرتے ہیں کہ:

"اللہ نے جب توحید کے دلائل تسلی بخش طور پر بیان کر دیے تو ان کی وضاحت کے بعد

کافر کے لیے کفر پر قائم رہنے کا عذر باقی نہیں رہتا سوائے اس کے کہ اسے ایمان کے لیے مجبور کر دیا جائے مگر یہ چیز دنیا میں جو دار الابتلا ہے جائز نہیں اس لیے کہ دین پر جبر و قہر سے ابتلا و امتحان کے معنی باطل ہو جاتے ہیں اس کی نظیر اللہ کا یہ قول ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ دوسری سورہ میں کہا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ اور سورہ شعرا میں فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ اس بات کی تائید و تاکید اس کے بعد کی آیت سے بھی ہوتی ہے قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ یعنی دلائل ظاہر ہو گئے اور بینات واضح ہو گئیں اب ان کے بعد صرف جبر و اکراہ ہی کا طریقہ باقی رہ جاتا ہے جو جائز نہیں ہے کیونکہ یہ تکلیف کے منافی ہے۔" (ج ۲ ص ۱۷)

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (۲۶۱) کے متعلق لکھتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ نے مبدا و معاد کے علم کے اصول اور ان کی صحت کے دلائل جو چاہا بیان کر دیا تو اس کے پیچھے شرائع و احکام اور تکالیف کے بیان کو کیا، پس معتبر تکلیفات کے بیان میں پہلا حکم انفاق اموال کا ہے، آیت کے نظم کی کیفیت میں کئی وجوہ ہیں، قاضی نے کہا ہے جب اجمالاً یہ کہا کہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً. اس کے بعد اس آیت میں دونوں آیتوں کے درمیان اپنی احیاء و اماتت کی قدرت کے دلائل اس حیثیت سے بیان کیے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتا تو انفاق کی تکلیف بہتر نہ ہوتی کیونکہ جزا و سزا دینے والے الٰہ کا وجود اگر

نہ ہو تو ساری طاعتوں میں انفاق عبث ہو جائے گا گویا اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے جسے انفاق کی ترغیب دی ہے یہ کہا ہے کہ تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے پیدا کیا اور احیاء و قدرت سے تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کی اور تجھے میری مجازات اور ثواب دینے کی قدرت کا بھی علم ہے اس لیے ان اصول کے تمہارے علم کو انفاق مال کی دعوت دینے والا ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ قلیل کا بدلہ کثیر سے دیتا ہے پھر اس کی یہ مثال بیان کی کہ جس نے ایک دانہ بویا اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوئے پس ایک دانہ سے سات سو دانے ہو گئے، بیان نظم میں دوسری صورت وہ ہے جسے اصم نے بیان کیا ہے کہ نبیؐ کی تصدیق کی موجب تمام باتوں پر حجت قائم کرنے کے بعد یہ مثل اس لیے بیان کی ہے تاکہ آپ کی نصرت اور آپؐ کی شریعت کے اعلاء کے لیے لوگ جہاد بالنفس اور جہاد بالمال میں راغب ہوں، تیسری صورت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ وہ مومنین کا سرپرست ہے اور کافروں کے اولیاء طاغوت ہیں تو یہ بھی واضح کر دیا کہ مومن کے انفاق فی سبیل اللہ کافر کے انفاق فی سبیل الطاغوت کی مثال کیا ہے۔" (ج ۲ ص ۳۴)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الخ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"چونکہ اللہ نے انفاق فی سبیل اللہ کے معاملہ کی اہمیت و عظمت بیان کی تھی تو اسکے بعد ان امور کو بھی بیان کیا جن کی تحصیل واجب و لازم ہے تاکہ یہ ثواب باقی رہے، انہی چیزوں میں ترک منّ و اذیٰ بھی ہے۔" (ج ۲ ص ۳۵)

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ الخ (۲۶۷) کے تحت پورے سلسلۂ بیان کی یہ وضاحت کرتے ہیں:

"پہلے انفاق کی ترغیب دی پھر بیان کیا کہ انفاق کی دو قسمیں ہیں ایک میں منّ و اذیٰ شامل ہوتا ہے اور دوسرے میں یہ بات نہیں ہوتی پھر ان میں سے ہر قسم کے متعلقات کی شرح کی اور اس کی ایک ایک ایسی مثال دی جو بہت موثر طور سے معنی و مقصود کو کھول دیتی اور واضح کر دیتی ہے پھر اس آیت میں یہ بتایا کہ جس مال کے انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے وہ کیسا ہونا چاہیے۔" (ج ۲ ص ۴۴)

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ (۲۶۸) کے متعلق لکھتے ہیں:

"جب انسان کو اپنی ملکیت کا سب سے بہتر مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی تو اس کے بعد اسے وسوسہ شیطان سے چوکنا کیا کیونکہ وہ فقر سے ڈراتا اور یہ کہتا ہے کہ اگر بڑھیا مال خرچ کیا تو فقیر اور تنگ دست ہو جاؤ گے پس اس کی پروا نہ کرو کیونکہ اللہ مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔" (ج ۲ ص ۴۶)

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ الخ (۲۷۰) کا ربط اس طرح واضح کیا ہے:

"جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ انفاق سب سے عمدہ مال میں سے ہونا ضروری ہے تو اس پر پہلے یہ کہہ کر ابھارا کہ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ الخ دوسری بار اس طرح کہا کہ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ اور تیسری بار اس طرح آمادہ کیا وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُهٗ"

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ الخ (۲۷۱) کے متعلق امام صاحب کا بیانِ نظم ملاحظہ ہو:

"پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ بعض انفاق کے ساتھ منّ و اذیٰ ہوتا ہے اور بعض کے ساتھ نہیں۔ اسی طرح ان میں سے ہر قسم کا حکم بھی بیان کیا پھر اچھے اور خراب مال کے

انفاق کا ذکر کیا اور دونوں کا حکم بیان کیا اب اس آیت میں بتایا کہ انفاق کبھی ظاہر اور کبھی مخفی ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا حکم کیا ہے ؟ (ج ۲ ص ۵۰)

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ (۲۷۲) کے متعلق بتایا کہ یہ انفاق کا چوتھا حکم ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کس پر انفاق جائز ہے ۔ (ج ۲ ص ۵۳)

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا الخ (۲۷۳) کے بارے میں کہتے ہیں کہ پہلے بتایا تھا کہ کس فقیر کو صدقہ دینا جائز ہے اور اس آیت میں یہ بتایا کہ کون سب سے زیادہ صدقہ کا مستحق ہے (ج ۲ ص ۵۴)

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ الخ (۲۷۴) کے نظم کی کیفیت میں چند اقوال تحریر کیے ہیں جو یہ ہیں :

"(۱) اس سے پہلے والی آیت میں بتایا تھا کہ کس کو صدقہ دیا جانا زیادہ اچھا اور مکمل ہے اور اس آیت میں یہ بیان کیا کہ انفاق کی زیادہ مکمل شکل کیسی ہے ۔

(۲) یہ آیت پہلے والی آیت إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ کی تاکید کے طور پر لائی گئی ہے ۔

(۳) یہ سلسلۂ انفاق کی آخری آیت ہے اس لیے اس میں لوگوں کو انفاق کی سب سے عمدہ شکل کی طرف رہبری کی گئی ہے" (ج ۲ ص ۵۷)

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا الخ (۲۷۵) کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"ربا اور صدقہ میں تضاد کے لحاظ سے مناسبت ہے کیونکہ صدقہ تنقیص مال سے عبارت ہے جب کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اور ربا مال کی زیادتی کی طلب سے عبارت ہے جبکہ اللہ نے اس کی ممانعت کی ہے اس طرح یہ دونوں متضاد ہیں اسی لیے اللہ نے

فرمایا يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ جب ان دونوں حکموں کے درمیان اس نوع کی مناسبت ہے تو لا جرم صدقات کے حکم کے بعد ربا کا حکم بیان کیا (ج ۲ ص ۵۸)

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا الخ (۲۷۶) کے متعلق رقمطراز ہیں :

"جب اللہ نے پوری شدت سے ربا کے متعلق زجر کیا اور اس سے پہلے کی آیتوں میں نہایت تاکید سے صدقات کا حکم دیا تو یہاں ترک صدقات اور فعل ربا کے داعیہ و محرک کا ذکر کیا اور اس کے فساد کو واضح کیا اس کی توضیح اس طرح ہے کہ ربا پر آمادہ کرنے والی چیز خیرات میں تحصیل مزید ہے اور صدقات سے روکنے والی چیز خیرات کے نقصان اور کمی سے احتراز ہے اس لیے اللہ تعالی نے واضح کیا کہ وقتی طور پر گو ربا میں زیادتی ہے مگر درحقیقت وہ نقصان ہے اسی طرح صدقہ میں گو بظاہر نقصان معلوم ہوتا ہے مگر فی المعنی وہ زیادتی اور اضافہ ہے اور جب معاملہ اس طور پر ہے تو عاقل و دانا کے لائق و مناسب یہ بات ہوگی کہ وہ ان دواعی و صوارف کی طرف التفات نہ کرے جنکی طبیعت و احساس متقاضی ہوں بلکہ ان دواعی و صوارف پر اعتماد کرے جن کو شریعت نے مندوب و مستحسن قرار دیا ہے" یہ نظم کا پہلو ہے" (ج ۲ ص ۶۴)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ الخ (۲۷۷) کے بارے میں فرماتے ہیں :

"قرآن مجید میں اللہ تعالی کا یہ عام اور معروف طریقہ ہے کہ جب وہ وعید کا ذکر کرتا ہے تو اس کے بعد وعدہ کا ذکر بھی کرتا ہے ۔ یہاں سود خوار کے بارے میں شدید وعیدیں بیان کی گئی ہیں اس لیے ان کے بعد اس آیت میں وعدہ و بشارت کا ذکر آیا ہے" (ج ۲ ص ۶۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا الخ (۲۷۸ و ۲۷۹)

کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"پہلے یہ بیان کیا گیا تھا کہ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ (۲،۵) یعنی جو سود سے باز آگیا تو جو کچھ دے چکا وہ اس کے لیے ہے، اس کی وجہ سے یہ گمان ہو سکتا تھا کہ پہلے کے سود اور اس میں جو دوسروں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے کوئی فرق نہیں ہے اس لیے اس آیت میں فرمایا وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا (اور جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو) اور یہ بتایا کہ جو سود دوسروں کے ذمہ رہ گیا ہے اور نہیں لیا گیا ہے تو اب اضافہ حرام ہو گیا اور صرف اصل رقم لینے کا حق ہی باقی رہ جاتا ہے۔" (ج ۲ ص ۷۶)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ الخ (۲۸۲) میں نظم کی کیفیت دو طرح سے بیان کی ہے:

"(۱) اس حکم سے پہلے دو نوع کے حکم بیان کیے تھے ایک انفاق فی سبیل اللہ جو تنقیص مال کا موجب ہے دوسرے ترک ربا۔ اور یہ بھی مال کی تنقیص کا سبب ہے پھر ان دونوں حکموں کو سخت تہدید پر ختم کیا اس کے بعد مال حلال کی حفاظت اور اس کے فساد و ہلاکت سے تحفظ کی کیفیت کو مندوب قرار دیا کیونکہ انفاق فی سبیل اللہ، ترک ربا اور ملازمت تقویٰ پر قدرت مال کے حاصل ہونے کے بعد ہی مکمل ہوتی ہے، اسی باریکی کی وجہ سے مال حلال کی حفاظت اور اس کو تباہی سے بچانے کی پُرزور وصیت و تلقین کی۔ اس کی نظیر سورۂ نساء میں بھی ہے وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا۔ پس مال کے معاملہ میں احتیاط پر اس لیے زور دیا کہ وہ معاش و معاد کے مصالح کا سبب ہے۔ قفال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ اکثر اختصار پر مبنی ہوتے ہیں لیکن اس آیت میں بڑے بسط سے کام لیا گیا ہے،

چنانچہ پہلے کہا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ (اے ایمان والو جب تم کسی متعین مدت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو) پھر کہا وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ (تمہارے درمیان سے کوئی لکھنے والا اسے عدل کے ساتھ لکھے) پھر تیسرا فقرہ ہے وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ (اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے بلکہ جس طرح اللہ نے اسے سکھایا ہے اسی طرح لکھے) یہ گویا دوسرے فقرے کی تکرار ہے کیونکہ بات وہی ہے جس طرح اللہ نے لکھنا سکھایا ہے پھر چوتھی بار وَلْيَكْتُبْ کہا جو گویا پہلی بات کی تکرار ہے۔ پانچویں نمبر پر کہا وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ (اور یہ دستاویز وہ لکھوائے جس پر حق عائد ہوتا ہے) حالانکہ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ اس کی کفایت کر دیتا ہے کیونکہ عدل کے ساتھ لکھنے والا وہی لکھتا ہے جو املا کرایا اور لکھوایا جاتا ہے۔

چھٹے نمبر پر وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ (اور وہ اللہ سے جو اس کا رب ہے ڈرے) اس کی حیثیت تاکید کی ہے، ساتویں نمبر میں کہا وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا (اور اس میں کوئی کمی نہ کرے) یہ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ کا مستفاد ہے، اسی طرح کہا گیا وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ (قرض چھوٹا ہو یا بڑا اس کی مدت تک کے لیے اس کو لکھنے میں کاہلی نہ محسوس کرو) اس میں بھی پچھلی باتوں کی تاکید ہے، نویں بات یہ کہی کہ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا (یہ تلقینات اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف اور گواہی کو ٹھیک رکھنے والی اور اس بات سے قریب تر ہیں کہ تم ریب و شک میں نہ پڑو) ان تاکیدات کے یہ تین فوائد بیان کیے اور یہ سب اس کی دلیل ہیں کہ چونکہ پہلے دونوں حکموں میں تنقیص مال کا باعث بننے والے امور

جب زور دیا گیا تھا تو مال حلال کے تحفظ اور اس کو تباہی و ہلاکت سے بچانے کی وصیت و تلقین کے حکم پر بھی انتہائی زور دیا گیا تاکہ اس کے واسطے سے انسان کو انفاق فی سبیل اللہ اور ربا جیسے اللہ کو ناراض کرنے والے کام سے اعراض اور اللہ کے تقوی پر مواظبت کی قدرت حاصل ہو۔ نظم کی یہ پہلی صورت ہے جو حسن و لطیف ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت مداینت سے سلم مراد لیتی ہے گویا جب اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ربا سے منع کیا تو اس پوری آیت میں سلم کی اجازت دی، باوجودیکہ وہ تمام منافع جو ربا سے حاصل ہوتے ہیں وہی سلم سے بھی ہوتے ہیں اسی لیے بعض علما نے کہا ہے کہ حرام طریقہ سے جس لذت و منفعت کا حصول ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کی لذت کی تحصیل کے لیے حلال طریقہ اور مشروع راستہ بھی بنا دیا ہے۔ یہ نظم کے تعلق سے باتیں بیان کی گئی ہیں"۔ (ج ۲ ص ۱۰۷)

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ الخ (۲۸۳) کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"جان لو کہ اللہ نے یہاں بیع کی تین قسمیں قرار دی ہیں، ایک بیع میں کتابت اور شاہدین ہوتے ہیں دوسری رہان مقبوضہ اور تیسری بیع امانت، چونکہ ماسبق آیت میں کاتبین و اشہاد کا حکم دیا تھا اور بتایا تھا کہ سفر میں بعض اوقات ان لوگوں کا ملنا دشوار ہوتا ہے یا وہ مل گئے، مگر لکھنے والے آلات و اسباب نہیں ہوتے اس لیے وثیقہ کی ایک دوسری قسم رہن بتائی، یہ نظم کا پہلو تھا اور یہ صورت کاتبوں اور شاہدوں کے مقابلے میں زیادہ احتیاط کی ہے (ج ۲ ص ۷۸)

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الخ (۲۸۴) کی کیفیت نظم کے حسب ذیل پہلو بیان کیے ہیں:

"امام اصم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں علم اصول سے متعلق بہت ساری چیزیں جمع کر دی ہیں توحید و نبوت کے دلائل، شرائع و تکالیف کا بیان یعنی نماز، زکوٰۃ، قصاص، صوم، حج، جہاد، حیض، طلاق، عدت، صداق، خلع، ایلاء، رضاع، بیع، ربا، مداینت کی کیفیت وغیرہ اس آیت پر اللہ نے اس سورہ کو تہدید کے طور پر ختم کیا ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ صفات جو حقیقی کمالات سمجھی جاتی ہیں وہ قدرت اور علم ہیں، کمال قدرت کی تعبیر وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ سے اور کلیات و جزئیات کو محیط علم کی تعبیر وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ سے کی گئی ہے اور جب قدرت اور علم کا کمال حاصل ہو گیا تو آسمانوں اور زمین میں جو ہیں سب بندے اور پروردہ (مربوب) ہیں ان کا وجود اللہ کی تخلیق و تکوین سے ہوا ہے، یہی اطاعت گزاروں سے کیے گئے وعدے کی غایت اور گنہگاروں سے کی گئی وعید کی انتہا ہے، اسی سبب سے اللہ نے یہ سورہ اس آیت پر ختم کی ہے۔

۲۔ نظم کی دوسری شکل یہ ہے کہ ابو مسلم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے والی آیت کے آخر میں وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ کہا تھا، اس کے بعد اس چیز کا ذکر کیا جس کی حیثیت عقلی دلیل کی ہے، چنانچہ ارشاد ہوا لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ اس ملکیت کے معنی یہ ہوئے کہ یہ ساری چیزیں محدث ہیں اور یہ اس کی تخلیق و ابداع سے وجود میں آئی ہیں، پس جو ذات ایسے محکم و متقن عجیب و غریب افعال کی فاعل ہے جن میں گوناگوں حکمتیں اور منافع ہیں ضروری ہے کہ وہ ان کا علم بھی رکھتا ہو، اس لیے کہ جاہل و ناواقف سے ایسے محکم و مضبوط افعال کا صدور محال ہے، اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی محکم و متقن چیزوں کی خلقت سے اپنے عالم اور جزئیات و کلیات

کے محیط ہونے پر استدلال کیا ہے۔

۳۔ نظم کی تیسری کیفیت قاضی نے یہ بتائی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان دستاویزات یعنی کاتبوں شاہدوں اور رہن کا ذکر کیا جس کا مقصد اموال کا تحفظ اور ان کی صیانت ہے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ مقصود نفع کا مخلوق کی طرف راجع ہونا ہے نہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب کیونکہ اس کے لیے تو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔

۴۔ شعبی، عکرمہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے کتمان شہادت کی نہی کی اور اس کی دھمکی دی تو یہ بھی واضح کر دیا کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اس لیے وہ کتمان و اظہار کی جزا دے گا۔" (ج ۲ ص ۸۰)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ الخ (۲۸۵) کی کیفیت نظم بیان کرتے ہوئے یہ صورتیں لکھی ہیں:

۱۔ گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے کمال ملک اور کمال علم اور کمال قدرت کو بیان کیا تھا اور یہ صفات ربوبیت کے کمال کی موجب ہے اس کے بعد مومنین کا اللہ کے لیے انتہائی مطیع و منقاد اور صاحب خضوع ہونا بتایا ہے یہی در اصل کمال عبودیت ہے پس اللہ تعالیٰ کے عام فضل و احسان سے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن ہمارے حق میں کمال عنایت و رحمت و احسان ظاہر کرے گا، اے اللہ تو اس امید کو برحق بنا دے۔

۲۔ نظم کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب اللہ نے فرمایا وَاِنْ تُبْدُوْا --- یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ تو اس نے یہ بتایا کہ ہمارا کھلا چھپا اور ظاہر و باطن کچھ بھی اس سے مخفی نہیں، اس کے بعد وہ چیز بیان کی جس کی حیثیت ہمارے لیے مدح و ثنا کی ہے: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ الخ

گویا وہ اپنے نفس سے یہ کہہ رہا ہے کہ اے میرے بندے گو میں تیرے تمام حالات کو جانتا ہوں مگر انہیں نہ ظاہر کروں گا اور نہ ان کا ذکر کروں گا، البتہ جو تیری مدح و ثنا میں ہوں گے انہیں بتاؤنگا تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ جس طرح میں ملک، علم اور قدرت میں کامل ہوں اسی طرح جود و رحمت اور اظہار حسنات اور اخفائے سیآت میں بھی کامل ہوں۔

۳۔ اس سورہ کی ابتدا متقین کی مدح سے ہوئی تھی اور آخر میں واضح کیا گیا کہ جن لوگوں کی مدح ابتدائے سورہ میں کی گئی تھی وہ امت محمدیہ ہے چنانچہ فرمایا کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ ۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ الخ اور اول سورہ میں اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ سے یہی مراد ہے پھر یہاں کہا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اور وہاں کہا وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ دونوں کی ایک ہی مراد ہے غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ اور وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ یکساں ہیں، پھر یہاں اپنے رب سے انکے تضرع کی یہ کیفیت بیان ہوئی رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا الیٰ آخر السورۃ اور یہی ابتدائے سورہ کے اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ سے مقصود ہے اب تم خود دیکھ لو کہ اول و آخر سورہ کے درمیان کس قدر موافقت ہے۔

۴۔ چوتھا پہلو یہ ہے کہ رسول کے پاس جب فرشتہ اللہ کی طرف سے آکر اس سے کہتا ہے کہ اللہ نے تمہیں مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تو رسول کے لیے اس فرشتہ کی صداقت جاننا ممکن نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اللہ فرشتہ کے دعوی کی تصدیق میں کوئی معجزہ ظاہر کر دے۔ اگر یہ معجزہ نہ ہو تو وہ مخبر کو شیطان اور ضال مضل قرار دے سکتا ہے اور یہ فرشتہ بھی جب اللہ کا کلام سنتا ہے تو وہ کسی معجزہ کا ضرورتمند ہوتا ہے جو اس کی دلیل ہو کہ مسموع اللہ ہی کا کلام ہے کسی اور کا نہیں۔ یہ سارے مراتب قابل لحاظ ہیں۔

پہلا اس بات پر معجزہ قائم ہونا کہ مسموع کلام الٰہی ہے غیر نہیں۔ اس معجزہ کے واسطے فرشتہ جانتا ہے کہ اس نے اللہ کا کلام سُنا دوسرا نبی کے نزدیک اس بات پر معجزہ کا قائم ہونا کہ یہ فرشتہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور اسے اللہ نے بھیجا ہے اور وہ شیطان نہیں، تیسرا رسول کے ہاتھ پر معجزہ کا قیام امت کے نزدیک تاکہ وہ اس پر استدلال کر سکے کہ رسول اپنے دعویٰ میں سچا ہے، اس لیے جب تک رسول کو خدا کے یہاں سے اپنے رسول ہونے کی معرفت نہیں ہوگی امت کے لیے اس کے رسول ہونے کی معرفت ممکن نہیں ہوگی۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں شرائع کے انواع اور احکام کے اقسام بیان کیے ہیں تو یہ کہا کہ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ، اس سے یہ بتانا ہے کہ رسول جانتا ہے کہ یہ وحی الٰہی ہے اور جس نے اس کی خبر دی ہے وہ یہ فرشتہ ہے جو اللہ کی جانب سے مبعوث ہوا اور وہ تحریف سے معصوم ہے، شیطان ومضل نہیں ہے، پھر رسول کے اس پر ایمان کا بیان ہے اور یہی پہلا اور مقدم مرتبہ ہے اور اس کے بعد مومنین کے اس پر ایمان کا ذکر ہے اور یہ متاخر مرتبہ ہے فَقَالَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔

اور جو اس کے لطائف نظم اور بدائع ترتیب پر غور کرے گا اور قرآن مجید میں تدبر کرے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ قرآن مجید جس طرح اپنے لفظوں کی فصاحت اور معانی کی فضیلت و برتری کے لحاظ سے معجزہ ہے اسی طرح اپنی ترتیب اور نظم آیات کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے (ج ۲ ص ۸۲ و ۸۳)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا الخ (۲۸۶) کا نظم اس طرح بتایا ہے:

"اگر ہم کہیں کہ یہ مومنین کا قول ہے تو وجہ نظم اس طرح ہوگی کہ جب انہوں نے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہا تو گویا یہ کہا کہ کیسے ہم نہیں سُنیں گے اور بات مانیں گے درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری وسعت وطاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا۔ پس جب اللہ تعالیٰ رحمت الٰہیہ کے فیصلہ کے بموجب ہم سے سہل اور آسان چیز ہی کا مطالبہ کرتا ہے اسی طرح حکم عبودیت کے مطابق ضروری ہے کہ ہم سامع ومطیع ہوں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو نظم اس طرح ہوگا کہ جب انہوں نے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اور پھر اس کے بعد غُفْرَانَكَ رَبَّنَا کہا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کا قول غُفْرَانَكَ ان کی جانب سے شعوری طور پر ان سے صادر ہونے والی کوتاہیوں کے لیے مغفرت کی طلب ہے اور جب غُفْرَانَكَ اس کوتاہی کے لیے طلب مغفرت ہے تو ضروری ہے کہ اللہ بھی ان سے اس کی تخفیف کر دے اور فرمایا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا مفہوم یہ ہوگا کہ جب تم نے سُنا، اطاعت کی اور تم نے بالقصد تقصیر نہیں کی تو ایسی صورت میں اگر تم سے سہو وغفلت کی وجہ سے کوئی تقصیر بھی واقع ہو گئی ہو تو اس سے خائف نہ رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ غرض یہ ان کی اس دعا کی اجابت ہے غُفْرَانَكَ رَبَّنَا۔ (ج ۲ ص ۸۹)

امام رازی

از مولانا عبد السلام ندوی مرحوم

علم کلام وفلسفہ وعقائد میں امام غزالی کی طرح امام رازی کی جامعیت مسلّم ہے اور جس طرح علامہ شبلیؒ نے الغزالی کے ذریعہ امام صاحب کے خیالات کی تشریح کی ہے، اس کتاب میں امام رازی کے سوانح اور تصنیفات کی تفصیل کے ساتھ فلسفہ وکلام اور تفسیر کے اہم مسائل کے متعلق انکے نظریات کی تشریح کی گئی ہے، قرآن مجید پر خالص فلسفیانہ حیثیت سے غور وفکر کرنیوالوں کیلئے یہ کتاب مشعل ہدایت ہے۔

داؤدی بوہرہ اور ان کی لسان الدعوۃ

از ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، بمبئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سب سے اچھے میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آئے اور پھر وہ لوگ جو ان کے بھی بعد آئے۔ مسلمانوں کے پورے ماضی پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی پوری تاریخ اپنے وسیع مضمون میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ایک قول کی صدائے بازگشت ہے، آپؐ کے بعد خلفائے راشدین کا زمانہ اپنے بعض شخصی اور نظریاتی اختلافات کے باوجود بڑا اچھا زمانہ تھا، ہر طرف خیر و برکت تھی، ہر شخص آسودہ حال تھا، پھر اموی دور آیا، یہ دور گویا اسلامی جمہوریت اور خلافت کے راستے سے ہٹ چکا تھا، ایک ہرقل مرتا تو دوسرا ہرقل اس کی جگہ لے لیتا تھا، مگر پھر بھی اس کی اپنی برکتیں تھیں، کچھ آسودگیاں تھیں، لیکن جیسے جیسے دن گزرتے گئے، اور اسلامی مملکت کا دائرہ وسیع سے وسیع ہوتا چلا گیا، مرکز کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی، اور ہر کوئی اپنی ایک الگ مملکت قائم کرنے کے لیے ہاتھ پیر مارنے لگا، آج کی طرح اس وقت بھی مذہب کا سہارا اس مقصد کے لیے ایک بڑا موثر سہارا تھا، مسلمان اہل بیت اور ان کی اولاد کے نام سے اپنی اپنی جماعتیں بنانے اور جگہ جگہ اپنی اپنی حکومتیں قائم کرنے لگے، ان مذہبی جماعتوں میں ایک فرقہ اسماعیلیہ بھی تھا۔

فرقہ اسماعیلیہ اور دولت فاطمیہ

اسماعیلی فرقہ کے لوگ امام جعفر صادق کے فرزند امام اسمٰعیل کو اپنا چھٹا امام مانتے ہیں اور انہیں کی نام کی مناسبت سے اپنے آپ کو اسماعیلی کہتے ہیں اس فرقہ کا

بنیادی نظریہ کچھ قرآن کریم کی تاویلات پر اور کچھ فلسفیانہ موشگافیوں پر مبنی ہے اس نے اپنا دروازہ ان لوگوں کے لیے کھلا رکھا جو اسلام میں بنیادی قسم کی سیاسی یا سماجی تبدیلیاں لانے کا ارادہ رکھتے یا کسی خاص قسم کے مذہبی یا فلسفیانہ افکار کی اشاعت کرنا چاہتے تھے، جن میں خصوصیت کے ساتھ فاطمیین کا ذکر کیا جا سکتا ہے، اسماعیلیوں نے فاطمیین کو بھی اپنے اندر ضم کر لیا، فاطمیین کو اسماعیلیوں سے کافی تقویت ملی، وہ پورے دوسو بہتر (۲۷۲) سال تک افریقہ اور مصر پر چھائے رہے، دولت فاطمیہ کے نام سے ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی بنیاد رکھی، قاہرہ بسایا، جامعہ ازہر کی تعمیر کی، ان کے اثرات صقلیہ، حجاز، یمن اور عراق تک وسیع تھے۔

دولت فاطمیہ نے المہدی باللہ (۹۰۹ء/۲۹۷ھ) سے لے کر عاضد (۱۱۷۱ء/۵۶۷ھ) تک پورے، چودہ خلفاء پیدا کیے لیکن آٹھویں خلیفہ المستنصر باللہ کا عہد دولت فاطمیہ کا آخری نقطہ عروج تھا جو بعد میں زوال کا بھی نقطہ آغاز بن گیا، اس نے پورے ساٹھ سال کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد (۱۰۹۴ء/۴۸۷ھ) میں وفات پائی تو اس کی وصیت کے مطابق اس کے تیسرے بیٹے مستعلی کو امامت کا وارث قرار دیا گیا، لہذا وزیر افضل نے مستعلی کی امامت کا اعلان کر دیا اور اس کو تخت نشین کر کے اس کے نام سے احکام نافذ کرنا شروع کر دیے، مستنصر کے بڑے لڑکے نزار کو یہ بات ناگوار گزری، وہ اسکندریہ فرار ہو گیا اور وہاں اپنے دوستوں کی مدد سے اس نے اپنی ایک الگ حکومت قائم کرنی چاہی لیکن قتل کر دیا گیا۔

ادھر فاطمیین کے یہ جھگڑے جاری رہے، ادھر سلجوقیوں نے زور پکڑا اور سلطان صلاح الدین نے (۱۱۷۱/۵۶۷) میں مصر پر دھاوا بول دیا اور قاہرہ فتح کر کے وہاں سے ایک ایک کر کے سارے اسمٰعیلی شعائر ہٹا دیے صرف اس کی یادگار کے طور پر نزار کے نام سے نزاریہ اور امام مستعلی کے نام سے مستعلین دو مذہبی فرقے باقی رہ گئے، جن کی آخری پناہ گاہ شام،

ایران اور یمن تھے۔

فرقۂ نزار یہ نزاری فرقہ شام میں خوب پھلا پھولا کیونکہ یہاں انہیں خوش قسمتی سے حسن بن صباح جیسا ایک چالاک اور شاطر قائد مل گیا تھا، اس نے مصر میں اسمٰعیلی اصول دعوت کی تعلیم حاصل کی تھی اور بحر قزوین پر قلعۂ الموت کو اپنا مرکز بنا رکھا تھا، اس نے اسمٰعیلی فرقہ میں داعی اور رفیق کے علاوہ ایک خاص گروہ ان لوگوں کا قائم کیا جو فدائی یا حشیشین (AS-sassins) کہلاتے تھے اور اپنی جان پر کھیل کر اپنے آقا کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے اور اس کے ادنیٰ اشارے پر بڑی بڑی نامور ہستیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کا لائق وزیر نظام الملک طوسی جو اپنے مدرسۂ نظامیہ کی وجہ سے آج بھی یاد کیا جاتا ہے، انہیں فدائیوں کے ہاتھوں مارا گیا لیکن جب (۱۲۲۱/۶۱۸) میں تاتاریوں کا سیلاب مشرق سے نکل کر ایشیا اور مشرقی یورپ کی حکومتوں کو تباہ و برباد کرتا ہوا بغداد پہنچا اور ہلاکو کی فوجوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کے رکھ دی تو یہ اسمٰعیلی بھی اس کی زد سے نہ بچ سکے اور ان کی یہ تحریک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

آغاخانی اور خوجے انیسویں صدی عیسوی میں شاہ ایران نے نزاریوں کے ۴۵ ویں امام کو آغاخاں کا لقب دے کر ان کی ہمت افزائی کرنی چاہی لیکن انہیں ایران راس نہ آیا، اور وہ ہندوستان منتقل ہوگئے، ہندوستان میں انگریزوں نے ان کو آغاخاں کے علاوہ ہزہائی نس (HIS HIGHNESS) کا بھی خطاب دیا، اب ہندوستان میں آغاخاں کے متبعین نزاریوں کے بجائے خوجوں کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں، اور ہندوستان کے علاوہ ان کی کثیر آبادی کینیا، تنزانیہ اور جنوبی افریقہ میں موجود ہے۔

مستعلیین کی ہند میں آمد لیکن مستعلیین نے یمن کو اپنی مذہبی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور نہایت

خاموشی کے ساتھ وہاں اپنی اسمٰعیلی تحریک کو پروان چڑھاتے رہے، وہ امام غائب پر یقین رکھتے ہیں اور ان کا مذہبی رہنما داعی کہلاتا ہے، ایک بڑے عرصے تک اس تحریک کا مرکز یمن ہی رہا، لیکن بعض ناساعد حالات کی بنا پر ان کے ۲۳ ویں داعی محمد عزالدین نے اس تحریک کو یمن سے ہندوستان منتقل کردیا، جس زمانہ میں یہ لوگ یمن سے ہجرت کرکے ہندوستان آئے اور گجرات کو اپنا مرکز بنایا، اس زمانہ میں گجرات میں انہلواڑ کے چالوکیہ خاندان کی حکومت تھی ان ہندو حکمرانوں نے اسمٰعیلیوں کی ان تبلیغی سرگرمیوں سے کوئی تعرض نہ کیا، لیکن جب ۱۲۹۷ء میں یہ ہندو حکومت ختم ہوگئی اور پورا گجرات دلی کے حلقہ اثر میں آگیا اور وہاں الگ سے ایک مستقل مسلم مملکت (۱۵۷۲-۱۲۹۶) کی بنیاد پڑ گئی تو گجرات کے مسلم سلاطین نے اس تحریک کو آزادی کے ساتھ آگے بڑھنے نہ دیا کیونکہ وہ سنی عقائد پر یقین رکھتے تھے۔

بوہرہ یا طیبیہ اور ان کی جماعتیں اب یہ لوگ ہندوستان میں مستعلیین کی بجائے بوہرہ یا طیبیہ فرقے کے نام سے پہچانے جاتے ہیں، ان میں سے بعض تو عربی النسل ہیں اور اکثر ہندوستانی نژاد جو اسمٰعیلی تحریک کے اثر سے مسلمان ہوئے، سولہویں صدی عیسوی کے آخر میں بوہروں کی دو جماعتیں ہوگئیں، داؤدی اور سلیمانی، ان کا اختلاف زیادہ تر شخصی تھا، داؤدی بوہرے داؤد بن قطب شاہ کی جانشینی کے قائل تھے اور اسی مناسبت سے اپنے آپ کو سلیمانی بوہرہ کہتے ہیں، سلیمانی بوہرے سلیمان بن یوسف کی جانشینی کے قائل تھے اور اسی مناسبت سے اپنے آپ کو سلیمانی بوہرہ کہتے ہیں، ہندوستان میں داؤدی بوہرے اکثریت میں ہیں۔

تجارت وصنعت ان کا پیشہ ہے اور ہندوستان کے علاوہ برما، تنزانیہ، کینیا، صومالیہ اور سیلون وغیرہ میں بھی ان کی آبادی پائی جاتی ہے، ان کے مرکز دعوت کے اندازے کے مطابق آج پوری دنیا میں ان کی مجموعی آبادی پندرہ بیس لاکھ ہے۔

طاہر سیف الدین بیسویں صدی عیسوی میں داؤدی بوہروں کو از سر نو منظم کرنے اور انہیں ایک مرکز پر لانے میں ان کے ۵۱ ویں داعی سیدنا طاہر سیف الدین کا بڑا ہاتھ تھا سنہ ۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ء میں جب ان کے کندھوں پر جماعتوں کی رہنمائی کا بوجھ آپڑا تو اس وقت ان کی عمر ۲۸ سال کی تھی' اس وقت پوری بوہرہ جماعت اندرونی طور پر انتشار کا شکار تھی اور اس کا شیرازہ بکھر رہا تھا ایسے میں انہوں نے آہستہ آہستہ ان سب کے دل جیتے اور انہیں ایک مرکز پر لانے کا اہتمام کیا۔ انہیں کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج بوہرہ جماعت مذہبی اور ثقافتی طور پر ایک منظم جماعت ہے۔

سیدنا برہان الدین ۱۹۶۵ء میں جب ان کا انتقال ہوگیا تو بحیثیت داعی ان کے بڑے صاحبزادے سیدنا برہان الدین کے حق میں "نص و توقیف" ہوئی لہٰذا اب وہی داؤدی بوہروں کے داعی مطلق ہیں' انہوں نے اپنے والد ماجد کے ثقافتی اور تنظیمی روایات کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ ہر میدان میں اس کو اور ترقی دی' بمبئی میں ان کا ثقافتی مرکز بدری محل ہے اور ان کی جائے قیام سیفی محل اور ان کا اصل بڑا ثقافتی مرکز سورت میں ہے۔

بوہرے اور عام مسلمانوں کا فرق بوہرے اپنے آپ کو مومن اور عام مسلمانوں کو مسلمان کہتے ہیں، ان میں شرع کی پابندی عام مسلمانوں سے زیادہ ہے' ان کا اپنا ثقافتی لباس بھی مخصوص ہے' مرد شیروانی، پاجامہ' سفید ٹوپی یا زریں عمامہ زیب تن کرتے ہیں اور عورتیں گھاگرا' چولی اور اوڑھنی پہنتی ہیں' ان کی شادی بیاہ اور موت مٹی کی رسمیں بھی عام مسلمانوں سے الگ ہیں' ان کاموں کے لیے سیدنا کی طرف سے باقاعدہ عامل مقرر ہوتے ہیں جو یہ رسوم انجام دیتے ہیں' وہ نماز تو پانچ وقت کی پڑھتے ہیں مگر اجتماع صلوتین کے قائل ہیں' یعنی ظہر کو عصر کے وقت اور مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا دیتے ہیں' ان کی مسجدیں بھی عام مسلمانوں کی مسجدوں سے

الگ ہوتی ہیں اور ان کے جماعت خانے اور قبرستان بھی' ان کی مذہبی تاریخ ہجری تاریخ ہی ہے' مگر وہ عام مسلمانوں کی طرح چاند کے انتظار میں نہیں رہتے بلکہ ان کا کلنڈر امام جعفر صادق کی تقویم کے مطابق پہلے ہی سے متعین شدہ کلینڈر ہوتا ہے' اسی لیے عیدین اور محرم وغیرہ میں یہ عام مسلمانوں سے کبھی ایک کبھی دو دن آگے ہوتے ہیں' یہ زیارت کربلا کے علاوہ فریضۂ حج بھی ادا کرتے ہیں۔

بوہروں کے اسکول' کالج اور مدارس بوہروں کے ان کے اپنے پرائمری اور ثانوی اسکول بھی ہیں' جہاں حکومت کے مقرر کردہ نصاب کے مطابق گجراتی میڈیم میں تعلیم ہوتی ہے، بہت سے بوہرہ لڑکے اور لڑکیاں اردو اور انگریزی مدارس میں بھی تعلیم پاتے ہیں' ان کا اپنا ایک کالج بھی ہے جو برہانی کالج کے نام سے موسوم ہے' یہاں میڈیم انگریزی ہے اور یہاں بوہروں کے علاوہ عام مسلمان اور دوسری قوموں کے بچے بھی تعلیم پاتے ہیں۔

لیکن ان اسکولوں اور کالجوں سے زیادہ اہم وہ عربی مدرسہ ہے جو سورت میں سالہا سال سے قائم ہے' وہ پہلے مدرسہ سیفیہ کہلاتا تھا اور اب جامعہ سیفیہ کہلاتا ہے' اس کی شاندار تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا سید ابو ظفر ندوی نے اپنی کتاب "گجرات کی تمدنی تاریخ" میں لکھا ہے:

"شیعہ اسمٰعیلیہ بوہروں کے ابتدائی مدارس آج کی طرح پہلے بھی پٹن' سدھپور' کھنبایت' بھروچ' سورت میں تھے مگر مدرسۂ عالیہ سنہ ۱۴۱۰ء/۸۱۲ھ سے پہلے تک صرف پٹن میں تھا، اس کے بعد احمد آباد منتقل ہوگیا اور وہاں سنہ ۸۲۰ھ مطابق ۱۴۳۶ء میں بڑا بارونق ہوگیا' دور دور سے طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے' گجرات کے شیعہ بوہروں کے والی (مذہبی حاکم) اس کے حاکم اور نگراں ہوتے تھے' سنہ ۹۷۵ھ مطابق ۱۵۶۷ء میں بوہروں نے مخصوص اپنے لیے احمد آباد میں ایک بڑے مدرسے کی بنیاد رکھی جس میں ہر

قسم کے علوم و فنون کی تعلیم ہوتی تھی، خصوصاً منطق، فلسفہ، ہندسہ، ہیئت، طب، مناظرہ، تاریخ اور جغرافیہ کی تعلیم بڑے اعلیٰ پیمانہ پر تھی، دینی علوم کی تعلیم کا بھی مکمل انتظام تھا، طلبہ کے اخراجات کا خود مدرسہ کفیل تھا، ایک "دعوت فنڈ" قائم تھا، اس کے علاوہ بوہرہ امراء خاص طور سے اس کی مالی مدد کرتے رہتے، غریب طلبہ کے علاوہ امراء کے لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے، سیدنا بدرالدین جام نگری جیسے علماء اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے، سنہ ۱۰۶۵ھ مطابق ۱۶۵۴ء میں یہ مدرسہ جام نگر چلا گیا اور کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے سورت جہاں آج تک مدرسہ سیفیہ کے نام سے جاری ہے، عوام اور خواص دونوں طبقوں میں اس کو مقبولیت حاصل ہے، اسی کے فارغ التحصیل اکثر مقامات پر حاکم (مذہبی) بنا کر بھیجے جاتے ہیں، جنھیں عامل، ملّا یا شیخ کہا جاتا ہے"۔ (ص ۲۱۶-۲۱۵)

مولانا سید ابوظفر ندوی نے اپنی ایک اور کتاب "تاریخ گجرات" میں بوہرہ جماعت کے ایک اہم کتب خانہ کا بھی ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

دسویں صدی ہجری کے وسط تک احمد آباد شیعہ بوہروں کا مرکز تھا، ان کا والی یا داعی یہیں قیام کرتا تھا، داعی کے زیر نگرانی جو مدرسہ تھا اس میں ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں ہر فن کی کتابیں تھیں، سنہ ۱۰۶۵ھ مطابق ۱۶۵۴ء کے بعد یہ کتب خانہ جام نگر (کاٹھیاواڑ) منتقل ہو گیا پھر سورت چلا گیا، جہاں داعی وقت سیدنا طاہر سیف الدین کے زیر نگرانی اچھی حالت میں ہے اور اس فرقہ کے مخصوص علماء اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں"۔

گجراتی زبان کی نشو و نما اور اس کا لسانی پس منظر

داؤدی بوہرہ جماعت کی دینی اور ثقافتی زندگی کا جو مختصر سا خاکہ ہم نے اوپر پیش کیا اس سے ظاہر ہے کہ ان کی زیادہ آبادی ہندوستان کی حد تک گجرات اور مہاراشٹر میں ہے اور یہ عام طور پر گجراتی زبان لکھتے پڑھتے اور بولتے ہیں۔

لیکن ان کی گجراتی بولی اور عام گجراتی بولی میں کیا فرق ہے اور وہ اس کو کس رسم خط میں لکھتے ہیں اور اس کا ردعمل ثقافتی طور پر کس صورت میں ظاہر ہوا ہے، ان سب سوالوں کے جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ خود گجراتی زبان کی نشو و نما اور اس کے لسانی پس منظر پر اپنے مقصد کو رکھتے ہوئے تھوڑی سی روشنی ڈال لی جائے، اس سلسلہ میں چند اہم باتیں حسب ذیل ہیں۔

(الف) گجراتی ایک ہند آریائی زبان ہے، اس کی باقاعدہ ابتدا کب سے ہوئی اور اسکا قدیم روپ کیا تھا، اس کے متعلق واضح طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، البتہ گجراتی زبان و ادب کی تاریخوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی عیسوی کے آس پاس اس کی نشو و نما شروع ہوئی اور وہ اپ بھرنش کے روپ میں تھی، یعنی سنسکرت کی ایک ایسی بگڑی ہوئی شکل جس میں مختلف بولیوں کے الفاظ اور محاورے بے دریغ گھسے چلے آرہے تھے اور اس کو ایک عوامی بولی کا روپ دینے کے وسائل پیدا کر رہے تھے، اس طرح اس کا اصلی روپ سنہ ۱۲۰۰ء کے بعد سے آہستہ آہستہ نکھرنا شروع ہوا۔

(ب) گریرسن نے گجراتی زبان کے آغاز و ارتقاء سے بحث کرتے ہوئے اپنی مشہور کتاب "لنگوسٹک سروے آف انڈیا" میں ایک جگہ لکھا ہے:

"گجرات کی آبادی ایک مخلوط آبادی ہے کیونکہ ایک تو یہاں کی زمین زرخیز، دوسرا دریائے سابرمتی، ماہی، نربدا اور تاپی کے کنارے، تیسرا خود اس کا اپنا نام سوراشٹر، جس کے معنی اچھی زمین کے ہیں، یہ اور اس قسم کی بعض دوسری وجہوں کی بنا پر باہر کے لوگ کبھی فاتح کی حیثیت سے اور کبھی پناہ گزین کی حیثیت سے مستقل طور پر یہاں آتے اور آباد ہوتے رہے ہیں"۔

اس کے بعد اس نے ان قوموں کی سنہ وار فہرست دی ہے جو ہجری دوسری (ساتویں؟) سے

یا شمال مشرق اور مشرق سے یہاں آئے، چند نام یہ ہیں:

بحری راستوں سے آنے والے: سنہ ۶۰۰ تا ۸۰۰ عیسوی: عرب اور ایرانی، تاجر کی حیثیت سے۔

سنہ ۱۲۵۰ تا ۱۳۰۰ عیسوی: ایرانی اور نائطی مسلمان جو خلیج فارس میں ہونے والے ہلاکو کے مظالم سے جان بچا کر یہاں آئے۔

سنہ ۱۵۰۰ تا ۱۶۰۰ عیسوی: پرتگیزی اور ان کے رقیب ترک۔

سنہ ۱۶۰۰ تا ۱۷۰۰ عیسوی: خلیج فارس کے ایرانی اور عرب جو سمندری لٹیروں سے بچ کر یہاں آئے۔

سنہ ۱۵۰۰ تا ۱۸۰۰ عیسوی: افریقی عرب، ایرانی اور مکرانی سپاہ۔

بری راستوں سے آنے والے: سنہ ۱۰۰۰ تا ۱۵۰۰ عیسوی: افغانی، ترک، مغل اور شمالی ہند کے دوسرے مسلمان جوق در جوق یہاں آئے۔

ان کے علاوہ شمال مشرق اور مشرق سے بھی تیرہویں صدی سے پندرہویں صدی تک تک، مسلمان کسی نہ کسی روپ میں برابر یہاں آتے اور آباد ہوتے رہے۔

اس طرح پورے ایک ہزار سال تک گجرات میں باہر کے جو لوگ آ کر آباد ہوتے رہے ان میں اکثریت عرب ایرانی، پارسی، ترک، مغل، مکرانی اور نائطی مسلمان وغیرہ کی تھی، یہ لوگ اپنے ساتھ یقیناً اپنی اپنی بولیاں بھی لائے ہوں گے اور گجراتی زبان سے انکا تال میل ہوا ہوگا۔

(ج) دیوان بہادر کرشنالال زویری نے اپنی کتاب گجراتی ادب کا موجودہ حال (THE PRESENT STATE OF GUJRATI LITERATURE) میں گجراتی زبان پر فارسی اور اردو کے اثرات سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مسلمانوں نے پورے چھ سو سال تک گجرات کو اپنے قبضہ میں رکھا، جب وہ یہاں آئے تو یہاں کے عوام سے رابطہ قائم کرنے کے لیے انہوں نے جو بھی زبان استعمال کی ہو لیکن اہم سرکاری اور ثقافتی موقعوں پر وہ جو زبان استعمال کرتے تھے وہ فارسی تھی اور فارسی چونکہ حاکموں کی زبان تھی اور وہی درباری اور سرکاری زبان تھی اس لیے جو لوگ حکومت وقت سے اپنا ربط ضبط بڑھانا چاہتے تھے یا سرکاری ملازمتیں حاصل کرنا چاہتے تھے ان کے لیے ضروری ہوگیا کہ وہ فارسی زبان سیکھیں چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر گاؤں ہر شہر میں ہندوؤں، برہمنوں، بنیوں اور کائستھوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا جو فارسی روانی کے ساتھ لکھ پڑھ اور بول سکتا تھا، شمالی ہند میں پہلے ہی سے ایسے ہندوؤں کی ایک کثیر آبادی موجود تھی، جو نہ صرف فارسی جانتے تھے بلکہ اس کے ماہر سمجھے جاتے تھے، گجرات کیسے پیچھے رہتا، پہلے صرف چند مہذب پارسی، گجراتی زبان کے علاوہ فارسی سے بھی واقف تھے مگر اب ناگر اور کائستھ جیسے اونچے طبقے کے ہندوؤں نے بھی فارسی زبان میں مہارت پیدا کرنی شروع کر دی اور وہ پیشکار اور بخشی جیسے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہونے لگے۔ سورت کے کائستھ تو فارسی میں قصائد تک موزوں کرتے تھے اور انعام واکرام کے شوق میں انہیں سلاطین دہلی کی خدمت میں بھیجتے تھے، سورت کا ایک ناگر برہمن، فارسی کا اس قدر گرویدہ تھا کہ وہ اپنی شام کی پرارتھنا تک اسی زبان میں ادا کرتا تھا۔"

اسی سلسلے میں وہ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اسی طرح کاتبوں اور نقل نویسوں کے لیے بھی ضروری ہوگیا کہ وہ فارسی سیکھیں، اس سلسلے میں بھی ہم بہتیرے ہندوؤں کو مسلمانوں کے دوش بہ دوش فن کتابت میں مہارت حاصل کرتے ہوئے پاتے ہیں، چنانچہ مرآۃ احمدی کا ایک قلمی نسخہ جو یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے وہ جوناگڈھ

کے ایک وشنو ناگر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔"

اور گجرات میں تاریخ نویسی کے باب میں وہ مزید فرماتے ہیں:

"گجرات میں تاریخ نویسی کا رواج مسلمانوں نے ڈالا، مگر اس سلسلہ میں بھی گجرات کے ہندو مسلمانوں سے کسی طرح پیچھے نہ رہے اس سلسلہ میں دو ناگر برہمن خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، ایک شری داس جو احمد آباد کے ناگر برہمن تھے اور انہوں نے سنہ ۱۷۳۱ء میں "فتوحات عالمگیری" لکھی، دوسرے کا تعلق جوناگڈھ سے تھا جنھوں نے ۱۸۲۵ء میں "تاریخ سورٹھ و ہالار" لکھی ہے۔"

(د) دیوان بہادر زویری نے اپنی ایک اور کتاب (FURTHER MILE STONE-IN GUJARATI LITERATERE) میں بعض ایسے ہندو شعرا کے نام گنائے ہیں جو فارسی اور اردو غزلوں کو مستقل طور پر گجراتی زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے، جن میں خصوصیت کے ساتھ بال شنکر الاس رام کنتھاریا، بلبل اور کلپی کی کوششوں پر انہوں نے روشنی ڈالی ہے اور لکھا ہے:

"تقریباً ۶ گجراتی شعرا ہمیں ایسے ملے ہیں جنھوں نے فارسی اور اردو کے اسٹائل کو گجراتی شاعری میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ یہ سارے شاعر فارسی اور اردو سے اچھی طرح واقف نہ تھے اس لیے ان کی یہ کوشش جس حد تک کامیاب ہونی چاہیے تھی نہ ہوئی۔"

انھوں نے لکھا ہے کہ گجراتی شاعری تو شاعری، گجراتی کے ابتدائی ڈرامے تک فارسی شاعری سے بوجھل تھے کیونکہ گجراتی زبان میں جذبات کے صحیح اظہار کے لیے مناسب اور موزوں لفظ نہ ملتے تھے، اس لیے انہیں پارسی تھیٹر کی نقل میں فارسی زبان کا سہارا لینا پڑتا تھا۔

(ہ) اسی طرح ڈاکٹر چھوٹو بھائی رنچھوڑجی نائک اپنی کتاب "گجراتی پر عربی فارسی نی اثر" میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کی ہے کہ عربی اور فارسی نے گجراتی زبان کو کس حد تک متاثر

کیا ہے، یہ کتاب گجراتی میں دو حصوں میں ہے اور تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل ہے، پہلے حصے کے ابتدائی دو ابواب ہندوستان کے ابتدائی تاریخی حالات سے بحث کرتے ہیں، اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ ہزاروں سال سے دنیا بھر کی قومیں کس طرح باری باری ہندوستان میں آئیں اور یہیں کی ہو رہیں، لیکن بعد کے تین ابواب مستقل طور پر ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے متعلق ہیں، اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ گجرات میں مسلمانوں کا داخلہ کب اور کیسے ہوا، کتنے سال وہ یہاں حکومت کرتے رہے اور اس کے رد عمل میں مقامی ہندوؤں نے کس طرح فارسی زبان سے دلچسپی لینی شروع کی، ناگر، کائستھ، چھتری اور دوسری بڑی ذات کے ہندوؤں نے کس طرح اس کا فائدہ اٹھایا اور کتنے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے، اور اس کا ردعمل زندگی کے اور شعبوں سے قطع نظر خود گجراتی زبان پر کیا ہوا، دوسرے حصے میں زیادہ تر گجراتی پر عربی فارسی زبان کے اثرات کی نشاندہی کی ہے اور اس کے بعد تقریباً ساڑھے تین ہزار عربی فارسی الفاظ، محاورے اور مثالوں کی ایک ایسی فہرست دی ہے جو گجراتی زبان کا حصہ بن گئے ہیں، یہ کتاب ۱۹۷۱ء میں گجرات ودھیا سبھا احمد آباد سے شایع ہوئی ہے۔

اوپر ہم نے مختلف حوالوں سے جو کچھ گجراتی زبان کے ارتقا اور اس پر عربی فارسی الفاظ کے اثرات کی تفصیلات بیان کیں، اس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ عین اس وقت جب کہ گجراتی زبان اپنی نشو و نما کے عبوری دور سے گزر رہی تھی، اس پر عربی فارسی اور اردو کے اثرات پے بہ پے مختلف راستوں اور مختلف طریقوں سے مستقل طور پر پڑتے رہے، گجراتی زبان ان اثرات سے بچ نہیں سکتی تھی، اس نے بڑی حد تک ان اثرات کو قبول کیا، یہی وجہ ہے کہ آج گجراتی زبان اس قدر بن سنورنے کے باوجود گریرسن کے قول کے مطابق "مغربی

ہندی سے بہت قریب ہے" اور جو شخص تھوڑی سی اردو اور ہندی جانتا ہے وہ بڑی آسانی سے
آج کی گجراتی کو سمجھ سکتا ہے۔

بوہرے اور گجراتی زبان

جب ایک زبان بذات خود ہماری بولیوں سے اس قدر قریب ہو اور
پھر اس زبان کے بولنے والوں کا ایک خاص طبقہ اس زبان پر اپنی حد تک اپنی ثقافت کی
چھاپ بھی لگا دے تو اس کی انفرادیت کو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ
ہے کہ گریرسن نے اپنی مشہور کتاب لنگوسٹک سروے آف انڈیا، جلد ۹، حصہ ۳، میں جہاں گجراتی
زبان اور اس کی مختلف بولیوں پر تاریخی، جغرافیائی اور لسانی اعتبار سے روشنی ڈالی ہے وہاں
"مسلمان گجراتی" کے نام سے ایک مستقل عنوان قائم کر کے اس میں مسلمانوں اور خاص طور پر
بوہروں کی گجراتی بولی سے بحث کی ہے، لکھا ہے:

"گجرات کے زیادہ تر مسلمان گجراتی نہیں ہندوستانی بولتے ہیں، البتہ کچھ مسلمان جو حقیقتاً
مذہب تبدیل کردہ ہندوؤں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، گجراتی بولتے ہیں، اس طبقہ کے
تعلیم یافتہ افراد معمولی گجراتی بولتے ہیں جس میں ہندوستانی اور ہندوستانی کے ذریعہ
عربی فارسی الفاظ کا آزادانہ عمل دخل ہوتا ہے، لیکن غیر تعلیم یافتہ گجراتی بولنے والے
مسلمان زیادہ تر اپنے ہندو پڑوسیوں کی گجراتی بولی بولتے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں دو
مسلم فرقوں کی زبان اپنے اندر ایک ایسی انفرادیت رکھتی ہے کہ جس کی طرف پوری پوری
توجہ دیے بغیر کوئی چارہ نہیں اور خاص طور پر بوہرہ فرقہ کی زبان تو زیادہ توجہ چاہتی
ہے کیونکہ بوہرہ گجرات کا ایک تجارت پیشہ فرقہ ہے، ہم سورت کو اس کا ثقافتی مرکز سمجھ
سکتے ہیں کیونکہ ان کے بڑے داعی وہیں رہتے ہیں۔"

پھر بوہروں کی گجراتی بولی پر صوتی، صرفی اور نحوی نقطہ نظر سے اس نے بڑی تفصیل کے

ساتھ روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ ان کی گجراتی بولی اور عام ہندوؤں کی گجراتی بولی میں کتنا
فرق ہے ص (۴۳۶)

گجراتی زبان کے سلسلہ میں صرف بول چال کی حد تک ہی بوہروں کو انفرادیت حاصل
نہیں ہے بلکہ اس سے بھی بڑی انفرادیت یہ ہے کہ وہ اپنی گجراتی بولی کو اپنے ثقافتی اور
مذہبی حد تک عربی رسم خط میں لکھتے ہیں، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد اول میں ان کا
مختصر سا تاریخی پس منظر دینے کے بعد لکھا ہے:

"ANOTHER DIFFERENCE IS THAT DAWOODIS USE A FORM
OF GUJRATI WHICH IS FULL OF ARABIC WORDS AND
PHRASAS WRITE IN THE ARABIC SCRIPT FOR ALL
OFFICIAL PURPOSES AND DELIVER THE CEREMON
IN THIS LANGUAGE"

دوسرا فرق یہ ہے کہ داؤدی بوہرہ گجراتی زبان کا ایک ایسا روپ استعمال کرتے ہیں جو عربی
الفاظ اور محاوروں سے بھرا ہوتا ہے اور اس کو سارے سرکاری مقاصد کے لیے عربی
رسم خط میں لکھتے ہیں یہاں تک کہ خطبہ بھی وہ اسی زبان میں دیتے ہیں۔"

(باقی)

اقبال کی فارسی شاعری پر ایک اجمالی نظر

از
ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی

اقبال کے فارسی کلام کی اہمیت

اقبال کا فارسی کلام مجموعی طور پر اردو کلام سے زیادہ ہے۔ اقبال کی فکر بھی زیادہ مربوط انداز میں فارسی کلام میں متشکل ہوتی ہے۔ اسلیے اقبال کا فارسی کلام زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن اقبال کی شخصیت اور ان کی فکر کو سمجھنے کے لیے صرف فارسی کلام کو پیش نظر رکھنا اور بقیہ آثار کو نظر انداز کر دینا درست نہ ہوگا۔ اقبال کامل کو اسکے آثار کامل کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ اس کے لیے فارسی اشعار کے علاوہ اردو اشعار اور نثری کارناموں کا بھی جائزہ لینا ہوگا۔ ذیل میں اقبال کی فارسی شاعری سے متعلق جو کچھ عرض کیا جائے گا وہ محض ایک اجمالی خاکہ ہوگا۔

اقبال نے فارسی میں سب سے پہلے اسرار خودی اور رموز بے خودی لکھا۔ ان کتابوں کی اشاعت سے انہیں عالمی شہرت ملی۔ اس کے ایک عرصہ کے بعد یکے بعد دیگرے پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، مسافر، پس چہ باید کرد اے اقوام شرق اور ارمغان حجاز شائع ہوئیں۔

اقبال نے اپنی فارسی تصانیف سے فکری انقلاب تو برپا ہی کیا لیکن ساتھ ہی فارسی زبان میں اسلوب اظہار میں بھی اجتہاد سے کام لیا ہے۔ فارسی میں اقبال کی شاعرانہ عظمت اور اس کی زبان و بیان کی خوبیوں کو اہل زبان نے بھی کھل کر تسلیم کیا ہے۔ وقت کے

مستند اہل زبان علماء ادباء اور شعراء سے خراج تحسین حاصل کر لینا اقبال کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ ایرانیوں نے اقبال سے پہلے صرف دو ہندوستانی شعراء کو تسلیم کیا تھا ایک خسرو اور دوسرے فیضی۔ اس کے بعد یہ شرف اقبال کو حاصل ہوا ہے بلکہ اقبال قدماء سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ اہل زبان نے جس طرح اقبال کو خراج تحسین پیش کیا ہے اسی سے اقبال کی فارسی شاعری کی اہمیت کا بہت کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اقبال کے بارے میں ایران کے بعض نہایت اہم اشخاص کی آراء پیش کر دی جائیں۔

ایران کے ارباب کمال کا اعتراف

ملک الشعراء محمد تقی بہار جو ملک الشعراء ہی نہیں بلکہ محقق، مصنف صحافی اور ایک محب وطن سیاسی مجاہد بھی تھے، علامہ اقبال کو بیسویں صدی کی شخصیت اور ان کے کلام کو اسلامی ادبیات کا میوۂ رسیدہ قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"من اقبال را خلاصہ و نقاوۂ مجاہدات	ترجمہ:- میں نے اقبال کو نو سو برسوں تک
و مساعی جاویدان نہصد سالہ غازیان	غازیان و عالمان اور ادبائے اسلامی کی
و عالمان و ادبای اسلامی و میوۂ رسیدہ	تمام کوششوں کا خلاصہ اور نچوڑ اور اس
و کمال یافتۂ این بوستان نہصد سالہ[1]	نو سو سالہ بوستان کا وہ میوۂ رسیدہ جانا
دانستم و در بارۂ ممدوح خود چنین گفتم	جو اپنے کمال کو پہنچ گیا ہو۔
عصر حاضر خاصۂ اقبال گشت	موجودہ دور اقبال کا دور ہے
واحدی کز صد ہزاران برگذشت"	وہ تنہا لاکھوں پر سبقت لے گیا

مشہور عالم اور محقق علامہ سعید نفیسی نے اقبال کو فارسی ادب کا مجدد اور ان کی شاعری کو معنوی طور پر "نادرۂ عجم" کہا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

---

[1] نہصد سالہ سے مراد فارسی ادب کی نو سو سالہ تاریخ ہے (مضمون نگار)

"همچنانکه پیشینیان مثنوی مولانا را "قرآن پهلوی" اصطلاح کرده اند آثار اقبال را هم باید "مثنوی قرن حاضر" بدانیم و بیهوده نیست که خود "زبور عجم" را در تسمیهٔ یکی از کتابهای خود بکار برده است."

"بدین گونه هیچ جای سخن نیست که اقبال نه تنها از بزرگان عصر ماست بلکه از کسانیست که نامشان از تاریخ ادب بیرون نخواهد رفت و ایشان را بحق "مجدد ادبیات" نام نهاد."

ترجمہ :۔ جس طرح گزشتہ زمانے والوں نے مولانا روم کی مثنوی کو پہلوی زبان کا قرآن کہا ہے اسی طرح اقبال کی مثنوی کو بھی موجودہ دور کی مثنوی کہنا چاہیے اور اگر اقبال نے اپنی ایک کتاب کا نام زبور عجم رکھا ہے تو یہ غلط نہیں ہے۔
اسی طرح اس امر میں کوئی کلام نہیں ہے کہ اقبال نہ صرف ہمارے دور کے بزرگوں میں سے ہیں بلکہ ان کا نام کبھی بھی تاریخ ادب میں فراموش نہ کیا جا سکے گا اور ان کو مجدد ادبیات کہنا بالکل بجا ہے۔

علامہ سعید نفیسی کو حکیم الامت علامہ اقبال کی ان پیشینگوئیوں پر تعجب ہے۔ جو بعد میں صحیح ثابت ہوئیں۔

مشہور اسکالر مجتبیٰ مینوی لکھتے ہیں کہ گزشتہ سو سال میں ایران میں من حیث المجموع اقبال جیسی کوئی شخصیت پیدا نہیں ہوئی اور دوسرے مشرقی ممالک کے بارے میں مجھے علم نہیں لیکن شاید دوسرے مشرقی ممالک کا بھی یہی حال ہو۔ انکے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

"دقیقکه در همه جنبه های مختلف زندگانی او مینگرم میبینم در ایران مسلماً ما هیچکس در ین یکصد ساله اخیر نداشته ایم که من حیث المجموع با محمد اقبال قابل قیاس باشد و شاید ممالک دیگر مشرق نیز ازین حیث نظیر ما باشد، من نمیدانم۔"

تہران یونیورسٹی کے ماہر ادبیات ڈاکٹر حسین خطیبی لکھتے ہیں کہ اقبال کا کلام سبک ہندی کے خلاف سعدی، حافظ اور مولانا روم کے اسلوب سے ملتا ہے۔ اظہار بیان کے اعتبار سے قدیم خراسانی عراقی اسلوب سے نزدیک تر اور معنوی اعتبار سے اور وسعت فکر اور دقت نظر کے اعتبار سے ایک ایسا سمندر ہے کہ اگر میں اسے الفاظ کی مدد سے بیان کرنے کی کوشش کروں تو مجھے مولانا روم کا یہ شعر پڑھنا پڑے گا جس کا مفہوم ہے کہ سمندر کو کوزہ میں بند کرنا ممکن نہیں۔

گر بریزی بحر را در کوزه ای — چند گنجد قسمت یکروزه ای

ڈاکٹر حسین خطیبی پھر اس طرح اعتراف کرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اقبال کو اہل زبان کے ساتھ معاشرت اختیار کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا اور انھوں نے فارسی صرف کتاب سے سیکھی تھی، وہ دقیق ترین عرفانی اور فلسفیانہ افکار کو فصیح ترین الفاظ اور ترکیبات میں آسانی اور روانی کے ساتھ بیان کر جاتے ہیں۔ ان کا کلام کلاسیکی فارسی کے ہم پایہ ہے۔ وہ استادانہ مہارت کے ساتھ دشوار ترین موقعوں پر بھی نہایت آسانی سے گزر جاتے ہیں۔ ان کی توجہ صرف معانی کی طرف ہوتی ہے اور لفظ اسی قدر استعمال ہوتے ہیں جو ان دقیق مفاہیم کو ادا کر سکیں۔ ان کی عروس فکر عبارت کے سادہ لباس میں حسین تر نظر آتی ہے۔ وہ مختلف اصناف سخن میں استادی کا درجہ رکھتے ہیں سوائے قصیدہ کے۔ قصیدے کی طرف انھوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی ہے۔

ڈاکٹر کچکینہ کاظمی کہتی ہیں کہ اقبال کے کلام میں فارسی کے مختلف اسالیب مجتمع ہو گئے ہیں۔ ان کے اشعار ہمیں فارسی کے بزرگ ترین شعراء کی یاد دلاتے ہیں، لیکن ان کا ممتاز ترین وصف ایجاز کلام، ابتکار و تنوع سبک اور اس کے ساتھ ان کی فکر بلند ہے، اقبال نے

اپنے فلسفیانہ افکار میں تغزل کی شیرینی کی ایسی آمیزش کی ہے کہ پڑھنے والا مسحور ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنے اندر حرارت اور تازگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اقبال نے اپنے کلام میں انسان کے اجتماعی، سیاسی اور اخلاقی مشکلات کے حل کے لیے ایک نئی راہ ہموار کی ہے۔ اس نے مشرق و مغرب دونوں کی بیماریوں کا علاج بتایا ہے۔ اس کے نزدیک روح انسان ناقابل تقسیم ہے اور ہماری بیشتر مصیبتیں ظاہر و باطن میں اختلاف کا نتیجہ ہیں۔

شرق حق را دید و عالم را ندید
غرب در عالم خزید از حق رمید

مشرق نے حق کو دیکھا لیکن عالم کو نہیں دیکھا مغرب عالم میں محدود ہو کر رہ گیا اور حق سے محروم رہا۔

آقای عبدالحسین نوائی اس طرح جرأتمندانہ اظہار کرتے ہیں: "بہت سے فلسفی شعرا ہوئے ہیں لیکن اقبال کی شخصیت سب سے منفرد ہے۔ میں جرأت سے کہتا ہوں کہ ملی اور اجتماعی افکار کو اقبال سے زیادہ کسی نے نہیں پیش کیا ہے اور بہت کم شاعر ایسے ہوئے ہوں گے جنہیں اپنے ملک میں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی ہو جتنی کہ اقبال کو اپنے ملک میں"۔

مشہور محقق، شاعر، صحافی، ادیب اور محب وطن سیاسی مجاہد علامہ علی اکبر دھخدا اقبال کی بالخصوص اس حکیمانہ نکتہ رسی پر فریفتہ ہیں کہ سب سے پہلے اقبال نے اس راز کو فاش کیا کہ اقتصادی اور سیاسی خسارہ سے زیادہ خطرناک فکری بے مائگی ہے۔ وہ اقبال کے ان اشعار کو پیش کرتے ہیں۔

چون شود اندیشۂ قومی خراب
ناسرہ گردد بدستش سیم ناب

جب کسی قوم کی فکر میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے ہاتھ میں خالص چاندی بھی کھوٹی نظر آتی ہے۔

میرد اندر سینہ اش قلب سلیم
در نگاہ او کج آید مستقیم
پس نخستین بایدش تطہیر فکر
بعد از آن آسان شود تعمیر فکر

اس کے سینے میں قلب سلیم مردہ ہو جاتا ہے
اسکی نگاہ میں راہ مستقیم بھی کج نظر آتی ہے
اس لیے پہلے فکر کو پاک کرنا چاہیے
اس کے بعد تعمیر فکر آسان ہو سکتی ہے

یورپ کا مادی تمدن اس قابل نہیں کہ اہل مشرق اس کی تقلید کریں۔

بیا کہ ساز فرنگ از نوا در افتاد است
درون پردۂ او نغمہ نیست فریاد است

آ کہ ساز فرنگ کی آواز اب بے ہنگام ہو چکی ہے اس کے پردہ میں اب نغمہ نہیں فریاد ہے۔

زمانہ کہنہ بتان را ہزار بار آراست
من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

قدیم بتوں میں ہزاروں بار تبدیلیاں آتی رہیں لیکن میں نے حرم کو نہیں چھوڑا کیونکہ اس کی بنیاد بہت مستحکم ہے۔ (یعنی اسکے اصول ہر زمانے کا ساتھ دینے والے ہیں)

پھر کہتے ہیں کہ جب اہل فرنگ کا مادی تمدن خود ان کا مداوا نہ کر سکا تو وہ اہل مشرق کی ہدایت کیونکر کر سکتا ہے۔

از من ای باد صبا گوی بدانای فرنگ
عقل تا بال گشودہ است گرفتار تر است

اے باد صبا میری طرف سے دانائے فرنگ کو یہ پیغام پہنچا دے کہ جب سے عقل نے اپنے پر پھیلائے ہیں وہ پہلے سے زیادہ گرفتار ہے۔

عجب آن نیست کہ اعجاز مسیحا داری — اس میں کوئی تعجب نہیں کہ تمہارے پاس

عجب این است کہ بیمار تو بیمار تراست [1] — اعجاز مسیحا ہے، تعجب یہ ہے کہ تیرا مریض

اور بھی زیادہ مریض ہوگیا ہے۔

اسرار خودی و رموز بے خودی

اقبال کی ساری شاعری کا لب لباب ان کی مثنویوں اسرار خودی اور رموز بے خودی میں ملتا ہے۔ انہوں نے جو فکر اور فلسفہ ان دونوں مثنویوں میں پیش کیا ہے، اسی کی تشریحات مختلف طریقوں سے دوسری کتابوں میں کی ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں مثنوی کی صنف کو بالخصوص بہت اہمیت دی ہے وجہ یہ ہے کہ مثنوی میں نہ اشعار کی تعداد کی حد بندی ہے اور نہ قوافی کی تنگی ہے۔ اخلاقی اور بیانیہ شاعری کیلئے بھی یہ موزوں ترین صنف ہے۔ مثنوی میں فلسفیانہ افکار کی وضاحت بھی ممکن ہے اور ایجاز کے ساتھ صراحت بھی حسن بیان پر بار نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسی مقبول صنف شاعری ہے جو عربی مدارس میں آج تک رائج ہے، کیونکہ فارسی شعر میں اخلاقی تعلیمات زیادہ تر مثنوی میں ملتی ہیں۔

اسرار خودی اور رموز بے خودی فرد و جماعت کے باہمی ربط، دونوں کے ارتقاء اور عروج انسانی کے وسائل اور مسائل کے حل پر مشتمل ہیں اس سے علامہ اقبال کے نظریۂ ادب پر بھی روشنی پڑتی ہے اس کے لیے قدرت نے انہیں تمام صلاحیتوں سے نوازا تھا فکر بلند نظر عمیق، عقل گرہ کشا، ضمیر روشن، قلب تپاں، ان سب کو حیات انسانی کے راز ہائے سربستہ کو کھولنے میں صرف کر دیا۔ انہوں نے مغرب میں انسان کو گمراہ اور انسانیت کو کرب میں مبتلا پایا۔ مشرق میں انسان کو نامراد اور انسانیت کو نحیف و نزار دیکھا۔

[1] ایرانی دانشوروں کی یہ آراء کتاب "اقبال ایرانیوں کی نظر میں" مؤلفہ خواجہ عبدالحمید عرفانی سے ماخوذ ہیں۔

حیات انسانی کا کارواں ایسی خودروی کے عالم میں تھا جس میں نہ کوئی نظم و ضبط تھا اور نہ جس کی کوئی صحیح منزل متعین تھی۔ ان حالات میں اقبال کی آواز جرس کارواں بن کر اٹھی جس نے ناقۂ بے زمام کو سوے قطار کھینچنے کی کوشش کی۔

اقبال کی آواز اور اس کی سمت اسرار خودی اور رموز بے خودی سے متعین ہوجاتی ہے۔ اقبال نے اسرار خودی میں فرد کی تربیت اور اس کی خودی کے ارتقاء پر زور دیا ہے۔ اور رموز بے خودی میں جماعت کی خودی کی تربیت اور اس کے ارتقاء سے بحث کی ہے۔ ان دونوں کتابوں میں وہ تمام ضروری مسائل آجاتے ہیں جن پر انسانیت کی تمدنی اور روحانی زندگی کا مدار ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ فرد سے جماعت بنتی ہے اور ان دونوں کے ربط ہی سے تمدنی زندگی کی عمارت بنتی ہے۔ یہ انسانی رشتے کن بنیادوں پر استوار ہوسکتے ہیں؛ دنیا امن و فلاح سے کس طرح ہمکنار ہوسکتی ہے۔ انسان انسان کی غلامی سے کیسے نجات پا سکتا ہے۔ انسانیت کیا ہے اور اس کے حصول کے کیا طریقے اور مراحل ہیں، موجودہ فرد وجماعت اور آئین وحکومت میں اصل خرابی کیا ہے اور کیوں ہے اور اس کا ازالہ کس طرح ممکن ہے، کیا مغرب کی عقل پرستی اور اس کا خالص مادی تمدن انسانیت کا مداوا بن سکتا ہے؟ یقیناً نہیں بن سکتا، تو اس کا نعم البدل کیا ہے؟ غرضکہ انسانی رشتوں سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان سب پر نہایت عمیق، فلسفیانہ روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں دوسرے فلسفی مفکرین کے افکار پر بھی تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے اور ان کی خوبیوں اور خرابیوں کو عقلی اور علمی نقطہ ہائے نظر سے آشکارا کیا گیا ہے۔ اس طریقہ کار میں علامہ اقبال نے انسانی جوہر کو لفظ خودی سے تعبیر کیا ہے۔ یہ خودی تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ایک ناقابل انکار حقیقت ہے،

اس لیے بدیہی طور پر اس خودی کے ارتقاء کو انسانیت کے ارتقاء کا ضامن قرار دیا گیا ہے
یہ خودی فرد کی بھی ہے اور جماعت کی بھی۔ اس لیے ان دونوں کے باہمی رشتے اور انکے
ارتقاء پر بحث کی گئی ہے۔ یہ ساری بحثیں ان دونوں کتابوں میں مربوط انداز میں شاعرانہ
دلکشی اور وجدانی کیفیت کے ساتھ نظم کی گئی ہیں۔

ان مسائل کا موثر اور قابل قبول حل پیش کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ان تمام
پیچیدہ مسائل پر گہری نظر ڈالی جائے جو اس سے پہلے بھی موضوع بحث رہے ہیں، مثلاً
افلاطون کا نظریۂ اعیان، صوفیہ کا نظریۂ وحدۃ الوجود، مسئلۂ جبر و قدر، مسئلۂ خیر و شر،
نظریۂ زمان و مکان، انسان کامل، نظریۂ شعر و ادب، عقیدۂ توحید و رسالت، نظریۂ
قومیت، نظریۂ وطن، عقل و عشق، روح و مادہ وغیرہ۔ علامہ اقبال نے ان تمام پہلوؤں پر
عمیق فلسفیانہ نقطۂ نظر اور شاعرانہ انداز بیان کے ساتھ بحث کی ہے اور اپنی فکر نہایت
واضح انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنے افکار کا مقابلہ دوسرے مفکرین کے افکار
سے بھی کیا ہے اور اس طرح اپنے نظریۂ خودی کی برتری کو زیادہ موثر طور پر ثابت کیا ہے۔

(باقی)

اقبال کامل

از مولانا عبدالسلام ندویؒ

اس کتاب میں علامہ اقبال کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ انکے فلسفیانہ اور شاعرانہ
کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور سوانح حیات کے بعد پہلے انکی اردو شاعری
پھر فارسی شاعری پر انکے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے اور انکے کلام کی ادبی
خوبیاں دکھلائی گئی ہیں پھر انکی شاعری کے اہم موضوعوں یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملت،
تعلیم، سیاست، صنف لطیف یعنی عورت، فنون لطیفہ اور نظام اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے۔

قیمت ۳/۰ روپے

کتب خانہ مدرسہ محمدی مدراس میں

ملا عبد العلی بحر العلوم کی تصنیفات

از جناب عبید اللہ ایم۔ اے (مدراس)

محمد علی والاجاہ نواب کرناٹک کے دور میں شمالی ہند کے بہت سے علماء و فضلا و شعراء
مدراس آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ شمالی ہند سے مدراس آنے والے علمائے کرام میں
فرنگی محل لکھنؤ کے ملا عبد العلی محمد بن ملا نظام الدین بڑے اہم اور ممتاز شخص تھے۔ یہ ۲۴
ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو اپنے دو صاحبزادوں مولوی عبد الاعلی اور مولوی عبد الرب کے ساتھ
مدراس پہنچے تو والاجاہ اول نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ جب کلس محل (یہ عمارت
آج بھی ساحل سمندر پر موجود ہے) کے قریب ملا عبد العلی کی پالکی پہنچی تو انہوں نے
اترنا چاہا مگر نواب والاجاہ نے اشارہ سے منع کیا اور خود آگے بڑھ کر پالکی کو کندھا
دیا اور انہیں اپنے محل میں اتارا۔ نواب والاجاہ نے ملا عبد العلی محمد کو بحر العلوم کا
خطاب دیا۔ آج بھی وہ مدراس اور پورے ہندوستان میں اسی خطاب سے یاد
کیے جاتے ہیں اس کے بعد وہ مدراس ہی کے ہو رہے یہیں ان کا انتقال ۱۲ رجب ۱۲۲۵ھ
مطابق ۱۸۱۰ء میں ہوا۔ دوسرے دن مسجد والاجاہی کے مقبرہ عظیم الدولہ میں مدفون
ہوئے۔ انکا آستانہ زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

بحر العلوم مدراس میں درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور رشد و ہدایت میں مصروف رہے، ان کی درسگاہ میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی شرکت کرتے تھے۔ نواب والا جاہ کے منشی مکھن لعل بہادر کو جو شاعر بھی تھے، بحر العلوم کی شاگردی کا شرف حاصل رہا۔ نواب والا جاہ کی تعمیر کردہ تاریخی مسجد والا جاہی کے محراب کے اوپر جو قطعہ کندہ ہے وہ مکھن لعل کا لکھا ہوا ہے ملاحظہ ہو:

امیر الہند والا جاہ فرمود — بنا این مسجد فرخندہ منظر
ز دل از بہر تاریخ بنایش — ندا آمد کہ ذکر اللّٰہ اکبر ۱۲۰۹ھ
ساخت طاعت کہ اسلام شہ دین پرور — آنکہ فرمان بر او ہست زمہ تا ماہی
بہر تاریخ بنالیش بخرد ہاتف گفت — نام فرخندہ وی مسجد والا جاہی ۱۲۱۰ھ

مسجد والا جاہی کی تعمیر ۱۲۰۹ھ میں شروع ہوئی اور ۱۲۱۰ھ میں ختم ہوئی۔

راقم الحروف کے جد امجد محمد غوث شرف الملک المتوفی ۱۲۳۸ھ نے بحر العلوم سے منطق اور فلسفہ و کلام کی مختلف کتابیں پڑھیں۔ پروفیسر محمد یوسف کوکن اپنی کتاب 'خانوادہ بدر الدولہ' میں رقمطراز ہیں:

"مولوی محمد غوث شرف الملک نے تبرکاً بحر العلوم کے پاس کچھ پڑھنے کا ارادہ کیا مگر وہ کسی وجہ سے درسگاہ میں شریک ہونے پر متردد تھے، آخر انہوں نے اپنے دادا قاضی محمد نظام الدین احمد صغیر کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استخارہ کیا۔ اس رات خواب دیکھا، آنحضرتؐ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مجلس میں تشریف فرما ہیں۔ بحر العلوم بھی وہاں موجود ہیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ ذرا انہیں زم زم کا پانی پلا دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حکم کی تعمیل کی اور اتنا پلایا کہ ان کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے، اس

حالت میں بیدار ہوئے۔ خود بحر العلوم سے مل کر خواب بیان کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حجاب دامنگیر تھا چنانچہ محمد غوث شرف الملک نے اپنے چچا زاد بھائی غلام عبد القادر بن محمد صادق بن عبد اللہ شہید کے نام ایک خط تحریر کیا کہ نواب کرناٹک سے اجازت لے کر بحر العلوم کے حلقہ تلامذہ میں داخل کر دیں۔"

محمد غوث شرف الملک عظیم الدولہ والا جاہ دوم کے دیوان تھے۔ دیوانی سے مستعفی ہونے کے بعد بحر العلوم کے ایما پر ایک کتاب "نثر المرجان فی رسم القرآن" لکھی، یہ کتاب سات ضخیم جلدوں میں حیدر آباد دکن سے طبع ہوئی۔ تاریخ طباعت ۱۳۳۱ھ ہے، اس میں رسم قرآن مجید کی تفصیل درج ہے۔

بحر العلوم نے کئی کتابیں اور رسالے لکھے ہیں۔ ان تصانیف کا موضوع اصول فقہ، رجال، تصوف، فلسفہ، حکمت، منطق، تذکرہ، صرف، کلام وغیرہ تھا، ان کی کئی تصانیف مصر، دیوبند وغیرہ سے بھی شایع ہوئی ہیں۔

جنوبی ہند کے مشہور کتب خانہ مدرسہ محمدی باغ دیوان صاحب مدراس میں بحر العلوم کی عربی اور فارسی تصنیفات میں کئی مخطوطات خود ان کے تحریر کردہ ہیں اور کئی مخطوطے ان کے شاگردوں کے لکھے ہوئے ہیں، لیکن یہ بھی ان کی زندگی ہی میں لکھے گئے تھے اور ان کا مقدمہ انہی کا لکھا ہوا تھا، کتب خانہ مدرسہ محمدی میں ایک ہی نسخہ کے کئی کئی مخطوطات پائے جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مدرسہ کے علما ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ اس لیے ہر عالم ان تصانیف کو نقل کر لیتا تھا۔ ان مخطوطات کے بحر العلوم کے قلم اور ان کی زندگی کے لکھے ہونے کی بنا پر ان کی بڑی اہمیت ہے۔ ذیل میں ان کی تفصیل دی گئی ہے۔

عربی مخطوطات

۱و۲۔ شرح مبادی المسلم : جلد اول ودوم ۔ موضوع اصول فقہ حنفی (جلد دوم کے مزید دس نسخے ہیں، بعض مخطوطات کا نام شرح مبادی المسلم اور بعض کا فواتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت ہے)

۳۔ رسالہ فی تقسیمات الحدیث وتعریفھا : موضوع اصول حدیث ۔ مزید ایک نسخہ اور ہے۔

۴۔ منہیہ مسلم : موضوع اصول فقہ حنفی (مزید ایک نسخہ)

۵۔ شرح اسماء اھل بدر : موضوع ۔ رجال

۶۔ اسماء اھل بدر : موضوع ۔ تذکرہ

۷۔ ارکان الاربعہ : موضوع فقہ حنفی

۸۔ حاشیہ صدرا : موضوع ۔ فلسفہ (دو نسخے اور ہیں)

۹۔ عجالہ نافعہ : ایضاً (ایک نسخہ اور ہے)

۱۰۔ حاشیہ علی حاشیہ میر زاھد علی رسالہ : موضوع منطق (پانچ نسخے اور ہیں)

۱۱۔ حاشیہ علی زاھد یہ جلالیہ تہذیب : موضوع ۔ منطق (دو نسخے اور ہیں)

۱۲۔ حاشیہ علی ضابطہ شرح عبداللہ یزدی : موضوع منطق (ایضاً)

۱۳۔ شرح سلم العلوم : " (تین نسخے اور ہیں)

۱۴۔ فوائد متعلقہ علی شرح سلم العلوم : " (دو نسخے اور ہیں)

۱۵۔ حاشیہ علی شرح میر زاھد علی شرح المواقف : موضوع کلام (ایضاً)

(صرف امور عامہ سے متعلق ہے)

۱۶۔ شرح فی تحقیق وجود الواجب : موضوع کلام

۱۷۔ رسالہ فی معنی الوجود : ایضاً

۱۸۔ شرح فص من فصوص الحکم : موضوع تصوف

فارسی مخطوطات

۱۹۔ رسالہ فی وحدۃ الوجود : موضوع تصوف (ایک نسخہ اور ہے)

۲۰۔ شرح مثنوی مولوی معنی : ایضاً (تین نسخے اور ہیں)

۲۱۔ تنزلات ستہ : ایضاً (دو نسخے اور ہیں)

۲۲۔ احوال قیامت : موضوع عقائد (ایک نسخہ اور ہے)

۲۳۔ فتاوی : موضوع فقہ

۲۴۔ ترجمہ منار : موضوع اصول فقہ

۲۵۔ ھدایت الصرف : موضوع صرف (سات نسخے اور ہیں)

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں

از مولانا ابوالحسنات ندوی مرحوم

ہندوستان کی قدیم تاریخ کی کتابوں میں مرتب طور سے ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور انکے مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا حال معلوم کرنا چاہیں تو نہیں مل سکتا دارالمصنفین کے ابتدائی دور کے ایک فاضل رفیق مولانا ابوالحسنات ندوی مرحوم نے بڑی تلاش وتحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، بعد میں دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت میں اہتمام سے شایع کیا ہے، جس کے کئی اڈیشن نکل چکے ہیں۔

صفحات: ۱۳۲ ۔ قیمت ۲.۰۰ روپے

اخبار علمیہ

یورپ کی متمدن قوموں نے بیسویں صدی کی دونوں جنگ عظیم میں باہمی خوں ریزی اور تباہی و بربادی کی جو داستان لکھی، انسانیت کے زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کی مثال شاید ہی مل سکے، روس اور جرمنی نے دوسری جنگ عظیم میں ایک دوسرے کے ثقافتی سرمایہ کو بھی تاراج کیا، ان کے مال غنیمت میں کتابوں کی دولت بھی شامل ہے، روس کی سرخ فوجوں نے قریباً ۱۰ ملین کتابوں کو جرمنی سے روس منتقل کر دیا، ان میں نصف سے زائد یعنی ۵ ملین کتابیں اس وقت ماسکو اور پیٹرس برگ میں خستہ و شکستہ حالت میں ہیں، ماسکو کی لینن لائبریری نے علم و دانش کے اس مال غنیمت کا سب سے بڑا حصہ حاصل کیا، اس کی قسمت میں ۷۶۰،۰۰۰ کتابوں کی دولت آئی، اس کے علاوہ ماسکو اسٹیٹ یونیورسٹی نے بہت بڑی تعداد میں کتابیں حاصل کیں، ان میں بائبل اور قرون وسطیٰ کے نہایت بیش قیمت مخطوطات ہیں، لیکن ان سے بھی زیادہ اہم کتابوں کو اندرون ملک متعدد اہم کتب خانوں میں رکھا گیا، دوسری جانب جرمنی نے جنگ کے دوران ۲۰۰ ملین روسی کتابوں کو برباد کیا، لیکن شکست کھانے کے بعد تباہی سے بچ جانے والی زیادہ تر کتابوں کو اس نے واپس کر دیا اور تباہ شدہ کتابوں کے معاوضہ کی شکل میں لاکھوں ڈالر کی رقم بطور تاوان ادا کی، مگر اب حالات بدل چکے ہیں، سوویت یونین کے خاتمہ اور موجودہ روس کی خستہ حال معیشت سے عالم یہ ہے کہ اس کی معیشت کا انحصار بڑی حد تک جرمنی کی مالی امداد پر ہے، ایسے میں جرمنی نے یہ تقاضا کیا کہ اس کی مقبوضہ

کتابیں واپس کی جائیں جن کے بدلہ میں وہ ہزاروں جدید مطبوعات فراہم کرنے پر بھی تیار ہے، اس مطالبہ سے روسی حکومت اور دانشوروں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے، ایک طبقہ کی رائے میں دشمنی ختم ہونے کے بعد اب محض فتح کی یادگار میں ان کتابوں کا بوجھ اٹھانا دانشمندی نہیں، لیکن جنگ جو اور سخت گیروں کا کہنا ہے کہ پچاس سالوں اور لاکھوں جانوں کے جانے کے بعد اب ان کی ملکیت کا حق صرف روس کو ہے کیونکہ نپولین کی فتوحات کے بعد فرانسیسیوں نے اطالیہ کی نہایت نادر اور قیمتی کتابوں کو پھر کبھی واپس نہیں کیا اور خود پیٹرس برگ کے میوزیم نے فرانسیسی مصوری کے وہ شاہکار واپس نہیں کیے جو اس نے جنگ عظیم دوم کے دوران حاصل کیے تھے، لیکن روس کے کتب خانوں کے منتظمین ان دعووں اور دلیلوں سے اس لیے متفق نہیں کہ ان کتابوں کی حفاظت اور نگہداشت پر ایک خطیر رقم صرف ہو رہی ہے اور ان کی حکومت کے پاس وقت و سرمایہ کے علاوہ افراد بھی نہیں ہیں، چنانچہ اب تک ہزاروں کتابوں کی چوری ہو چکی ہے، یا پھر نوادرات کے سوداگران قیمتی کتابوں کو بڑی رقموں کے عوض، غیر قانونی طریقہ سے حاصل کر رہے ہیں اور پھر روسی عام طور سے جرمن زبان سے ناواقف ہیں اس لیے ان سے عام استفادہ بھی ممکن نہیں، دوسری طرف جرمن دانشوروں کا کہنا ہے کہ اٹھارویں یا انیسویں صدی کی کتابوں کی زیادہ فکر نہیں، اصل تشویش تو ان مخطوطات کے لیے ہے جن کا تعلق سولہویں اور سترہویں صدی کے اہم ذخائر کتب سے ہے کیونکہ یہی ہمارا اصل ورثہ ہیں۔

ع۔ص۔

وفیات

پروفیسر منظور حسین شور صاحب

از پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب

شور صاحب (اللہ بخشے) میرے دیرینہ کرم فرما تھے۔ ان کا بچپن کا نام منظور علی تھا جیسا کہ میں نے ان کے مکان پر ایک کتاب میں لکھا ہوا دیکھا تھا۔ بعد میں ان کا نام منظور حسین ہوا۔ ددھیال ایلچپور کی تھی اور ننھیال اکولہ کی تھی۔ یہ دونوں شہر برار میں ہیں۔ وہ امراؤتی (برار) کی شہر پناہ کے ناگپوری دروازے کے قریب ایک آبادی میں جو سادات کی تھی دسمبر ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ والد ضامن علی صاحب جو بعد میں کراچی آکر ۱۹۶۲ء میں فوت ہوئے۔ تھانیدار تھے۔ بہت سیدھے سادے تھے۔ امراؤتی میں بارہا ان سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا تھا۔ شور صاحب کی ابتدائی تعلیم امراؤتی ہی کے محمڈن ہائی اسکول میں ہوئی۔ اس زمانے میں میٹرک کی گیارہویں جماعت ہوا کرتی تھی۔ یہ اسکول جسکا نام اب تبدیل کر دیا گیا ہے مال ٹیکری کے قریب ہے۔ اور اب اس ٹیکری پر شیواجی کا مجسمہ نصب کر دیا گیا ہے۔ شور صاحب نے ۱۹۲۶ء میں وہاں سے میٹرک پاس کیا۔ پھر علی گڑھ تشریف لے گئے۔ وہاں میرس ہوسٹل میں انکا قیام تھا۔ ناگپور کے مونس حسین ان کے خاص دوست تھے۔ علی گڑھ کے انٹرمیڈیٹ کالج میں اس وقت نویں، دسویں، گیارہویں اور بارہویں چار جماعتیں تھیں، میرس ہوسٹل اردن سرکل (یانیورسٹی سرکل) کے چار ہوسٹلوں میں سے ایک تھا۔ اس کے علاوہ منٹو سرکل میں ان طلبہ کے لیے چار ہوسٹل تھے اور وہاں دو ہوسٹلوں (اے۔ بی) میں تعلیم بھی ہوا کرتی تھی۔ ڈے اسکالر اور

سیمی بورڈر ان کے علاوہ تھے۔ مولانا احسن مارہروی مرحوم کی وجہ سے طلبہ میں شعر و شاعری کا ذوق زیادہ پیدا ہوگیا تھا۔ وہ طرحی مشاعرے بھی منعقد کراتے تھے اور کل ہند مشاعرے بھی انہی کے دم سے قائم ہوئے تھے۔ شور صاحب کی شاعری کا شور اسی زمانے میں ہوا۔ اور مولانا مرحوم ان کی شاعری سے بہت خوش تھے۔ اس زمانے میں شور صاحب کی یہ غزل بہت مشہور ہوئی:۔ دیدہ و دانستہ دھوکا کھا گئے ہم فریبِ زندگی میں آ گئے

نظم بھی اسی زمانے میں انہوں نے شروع کی تھی اور اکثر شعر گوئی میں مصروف رہتے تھے ۱۹۳۰ء میں انہوں نے انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ پھر بی اے اور ایم اے (فارسی)، نیز ایل ایل بی کے زمانے میں وہ کچی بارک میں رہنے لگے تھے۔ اسی کو پختہ ہونے کے بعد S.M.EAST ہوسٹل کہا جاتا تھا۔ اسی ہوسٹل میں ریاست ریواں کے اختر حسین نظامی (جو بعد میں تاریخ کے پروفیسر ہوئے) اور سیہور (ضلع جبل پور) کے غلام احمد انصاری بھی شور صاحب کے احباب میں سے تھے۔ ۱۹۳۵ء کے شروع میں سی پی گورنمنٹ کے ہوم منسٹر رگھوویندر راؤ کے ساتھ ناگپور کے نواب صدیق علی خاں مرحوم علی گڑھ تشریف لائے تو وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے ان کی دعوت کی اور سی پی و برار کے طلبہ کو بھی مدعو کیا۔ شور صاحب اور تاجدار خان صاحب ان طلبہ میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

۱۹۳۳ء ہی میں شور صاحب نے ایم اے فائنل (فارسی) کا امتحان دیا۔ اسٹریچی ہال میں امتحان تھا اور ساتھ ہی بی اے فارسی کا امتحان بھی وہیں تھا۔ ایم اے کے پرچے کا رنگ نیلا ہوتا تھا اور بی اے کے پرچے کا رنگ سبز ہوتا تھا۔ ایم اے کے پرچے میں اخلاق جلالی اور چہار مقالہ کے اقتباسات ترجمہ و تشریح کے لیے تھے اور انہی دونوں کتابوں کے کچھ اقتباسات بی اے کے پرچے میں بھی تھے۔ شور صاحب نے بی اے کا پرچہ لے لیا اور تین گھنٹے

تک اسی کو حل کرتے رہے، وقت ختم ہونے پر غلام احمد مدنی صاحب کے ساتھ راقم الحروف بھی شور صاحب کے پرچے کے متعلق پوچھنے گیا، ان کے ہاتھ میں بی اے کا پرچہ تھا، ہم سب گھبرا گئے کہ اب کیا ہوگا۔ غلام احمد مدنی صاحب فوراً اپنے والد نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب کے پاس دوڑتے گئے۔ نواب صاحب اس زمانے میں وہاں ٹریزرر (خازن) تھے۔ وہ بنفس نفیس تشریف لائے اور شور صاحب کو ہال کے اندر لے جا کر ایم اے کا پرچہ دیا، کھانا کھلایا، تسلی دی۔ اس طرح انہوں نے ایم اے کا پہلا پرچہ حل کیا۔

۱۹۳۴ء میں شور صاحب ایم اے (فارسی) پاس کر کے وطن پہنچے۔ اس وقت کسی کالج میں جگہ خالی نہیں تھی۔ اس لیے ناگ پور کے انجمن اسلامیہ اسکول میں مدرس ہو گئے اور قریب ۳ سال تک وہیں رہے۔ اسی زمانے میں انہوں نے ناگپور یونیورسٹی سے ایک ایم اے اور پاس کیا۔ راقم الحروف ان سے ایک سال پیچھے تھا۔ ۱۹۳۵ء میں فارسی میں اور ۱۹۳۶ء میں اردو میں (ایل ایل بی بھی) علی گڑھ سے ایم اے پاس کر کے اپنے وطن جبل پور واپس ہوا۔ چند ماہ کے بعد پبلک سروس کمیشن نے کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (برار) میں اردو کے استاد کے لیے اشتہار دیا۔ اس زمانے میں ۲۵ سال عمر کی سخت قید تھی۔ کمیشن نے انٹرویو کے لیے مجھے طلب کیا لیکن شور صاحب کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کو طلب نہیں کیا۔[1] جولائی ۱۹۳۶ء میں میرا تقرر ہو گیا۔ پھر جب کانگریس کی ڈھائی سالہ حکومت قائم ہوئی تو شور صاحب کے والد صاحب کے ایک دوست ڈاکٹر پٹ وردھن کی کوشش سے ۱۹۳۷ء میں

[1] گورنمنٹ کالج لائل پور (فیصل آباد) میں شور صاحب ۱۹۶۹ء میں (یعنی ۶۰ سال کی عمر میں) ریٹائر ہوئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سرٹیفکیٹ میں ان کی عمر کیا رہی ہوگی۔ شور صاحب نے کسی موقع پر استاد سے وکیل کو اپنا ہمدرد کہا ہے۔ طلوعِ افکار کے مخاطبے میں نسیان کی وجہ سے کئی باتیں انہوں نے صحیح نہیں کہیں۔ اس وکیل نے مسلمانوں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۳ پر)

ان کو MORRIS COLLEGE میں فارسی کا لکچرر بنا دیا گیا۔

راقم الحروف کنگ ایڈورڈ کالج میں تھا۔ قریب ڈھائی سال کے بعد ناگپور یونیورسٹی نے مجھے صدر شعبۂ اردو بنا دیا۔ پھر جب ۱۹۴۳ء میں سید رفیع الدین صاحب مارس کالج میں عربی کے لکچرر ہوئے تو شور صاحب کے ساتھ ہم لوگ "اتحاد ثلاثہ" کی حیثیت سے یونیورسٹی کے مرہٹہ اور ہندی کے دو گروپ کے لیے BALANCING POWER بن گئے اور اللہ کی شان کہ دونوں گروپ ہم لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ۱۹۴۴ء میں شور صاحب کا تبادلہ مارس کالج ناگپور سے کنگ ایڈورڈ کالج ہو گیا۔ وہاں کالج کے ایک بنگلے میں انکا قیام تھا۔ اپنے والد صاحب سے ملنے کے لیے وہ شہر گئے ہوئے تھے۔ بچے بھی ساتھ تھے چوروں نے موقع پا کر تمام قیمتی سامان غائب کر دیا اور بڑے اطمینان کے ساتھ کھانا پکایا اور چائے بنا کر پیتے رہے۔ بڑا افسوس ہوا۔

کالج میں ہر سال بڑے پیمانے پر ادبی موضوع پر مباحثہ ہوا کرتا تھا۔ کالج کے اساتذہ اور شہر کے وکلا بھی حصہ لیتے تھے۔ سالانہ مشاعرہ بھی منعقد ہوتا تھا۔ باہر سے کسی بڑے شاعر کو دعوت دی جاتی تھی۔ کالج کے طلبہ بھی معمول کے مطابق کچھ اپنی غزلیں کچھ غیر معروف شعراء کی غزلوں میں اپنا تخلص ڈال کر سنایا کرتے تھے۔ لوگ حسب معمول بغیر سمجھے ہوئے واہ واہ واہ کہا کرتے تھے۔ لیکن اچھا خاصہ اجتماع ہو جاتا تھا۔ پھر شور صاحب کے آجانے سے اس اجتماع میں اضافہ ہونے لگا۔ وہاں دسمبر کے آخری ہفتے میں قدیم اور موجودہ طلبہ بھی جمع ہوتے تھے وہ REUNION DAYS کہلاتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۲) کے خلاف مرہٹوں کی فوج ۱۹۳۹ء میں تیار کی۔ اس کا سردار خود بنا۔ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس کی بیوی نے اس کی پوجا کی اور اسے رخصت کیا۔ دوسرے ایک مسلمان بڑے میاں نے رسی کی منجنیق سے ایک پتھر اس کی ناک پر رسید کیا تو وہ گھوڑے سے گر پڑا اور اسکی فوج بھاگ گئی۔

مختلف کھیلوں اور تقریبوں میں وہ سب شرکت کرتے تھے اور مختلف زبانوں میں تقریریں بھی
ہوا کرتی تھیں۔ یعنی ہندی، اردو، مرہٹی اور سنسکرت میں طلبہ تقریر کرتے تھے۔ شور صاحب سے
کہا گیا کہ فارسی میں طلبہ سے تقریر کرائیں۔ وہ فکر مند ہوئے۔ میں نے کہا کہ آپ کچھ فکر نہ
کریں۔ میں انتظام کیے دیتا ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ تقریروں کے لیے جج صاحبان ایسے
ہوں گے جو عربی اور فارسی سے بالکل نابلد ہوں گے۔ میں نے طلبہ کو بلایا اور ان سے پوچھا
کہ تم کو قرآن پاک کی کتنی کتنی سورتیں یاد ہیں؟ چار پانچ طلبہ ایسے تھے جن کو دس دس بارہ
بارہ سورتیں یاد تھیں۔ میں نے کہا کہ ہال میں کھڑے ہو کر ہاتھ ہلا ہلا کر سورتیں پڑھ دینا۔ جج
صاحبان آئے۔ طلبہ نے اسی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر سب کو خطاب کرتے ہوئے سورتیں پڑھنی
شروع کیں۔ تمام سامعین ہنستے رہے اور قہقہوں سے ہال گونج اٹھا۔ جج صاحبان مجھ سے
پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے۔ میں نے کہا کہ بعد میں بتاؤں گا۔ بہرحال ان طلبہ کو انعامات
ملے اور جج صاحبان نے ان کی "فاضلانہ" تقریروں پر داد بھی دی۔

۱۹۴۷ء میں مجھے کنگ ایڈورڈ کالج سے مارس کالج ناگپور بھیج دیا گیا۔ تقسیم ہند
سے جو قیامت برپا ہوئی وہ چنگیز اور ہلاکو کی سفاکی سے بھی زیادہ ہوگی۔ بے شمار جانیں
بھینٹ چڑھ گئیں۔ پشتہا پشت کی میراث یک لخت چھوڑنی پڑی۔ سی پی اور برار
میں تباہی کم ہوئی تھی، لیکن دوسری جگہوں کے خونچکاں واقعات سن کر وہاں کے
مسلمان بھی خائف ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں اس صوبے کو چھوڑنے پر آمادہ ہوئے۔
بہت سے لوگ حیدرآباد (دکن) چلے گئے۔ وہاں ان کو معاش کے ذرائع بہم
پہنچائے گئے اور وہاں کے امراء نے مہاجروں کے قیام و طعام کا بہت معقول انتظام کیا۔
جو لوگ پاکستان آنا چاہتے تھے وہ بمبئی پہنچنے لگے۔ وہاں کے مسلمانوں نے بھی دل کھول کر

مہمان نوازی کی اور ہر طرح کا آرام پہنچایا۔ راقم الحروف کے دو بچے بڑے بھائی صاحب
کے ساتھ کراچی آ چکے تھے۔ اس لیے مجھے بھی کالج سے رخصت لے کر (اہلیہ اور شیر خوار بچے
کے ساتھ) کراچی کا رخ کرنا پڑا۔ ۷ نومبر کو وہاں پہنچا، ۲۴ نومبر کو بچہ فوت ہو گیا اور ۲۸
نومبر کو اس کی والدہ بھی چل بسیں۔ ناگپور سے پروفیسر رفیع الدین صاحب نے مجھے لکھا کہ
واپس ناگپور آ جاؤ اور مارچ تک کام کر کے اپریل سے تین ماہ کی تعطیل میں کراچی چلے جانا۔
ان کے اصرار پر دسمبر میں ہوائی جہاز سے بمبئی پہنچا اور وہاں سے ریل میں ناگپور پہنچ گیا۔
دسمبر کے آخری ہفتے میں جو چھٹیاں ہوئیں تو میں حیدرآباد (دکن) چلا گیا۔ وہاں میرے بہت
سے اعزا تھے۔ ایک دن بازار سے گزرا تو وہاں شور صاحب سے ملاقات ہوئی۔ دیر تک
باتیں ہوتی رہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں ان کو جگہ مل گئی تھی لیکن بقول ان کے "وہاں میں نے
ابھی پڑھایا بھی نہیں تھا، ایک سیشن پورا کہ FALL ہو گیا۔"[1] یہ ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے۔ سقوط
حیدرآباد کے بعد وہ امراؤتی واپس آئے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد کراچی پہنچ گئے۔ وہاں کوئی
مناسب جگہ نہیں تھی تو پرنسپل تاج محمد خیال نے زمیندار کالج گجرات میں ان کو فارسی کا
سینئر لیکچرر مقرر کرا دیا۔ قریب ڈیڑھ سال کے بعد اسلامیہ کالج لائل پور (فیصل آباد) میں
اسسٹنٹ پروفیسر (فارسی) مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم اے
پاس کیا اور فیصل آباد کے کالج میں انگریزی بھی پڑھائی۔ ایک سال کے بعد ۱۹۵۲ء میں گورنمنٹ
کالج لائل پور میں فارسی کے پروفیسر بنا دیے گئے۔ لیکن ۱۹۶۱ء میں جب اس کالج میں ایم اے
(اردو) کا شعبہ قائم ہوا تو اردو اور فارسی کے شعبے میں صدر بنا دیے گئے اور ۱۹۶۹ء میں
ریٹائر ہو کر کراچی واپس آ گئے۔ ۲ جولائی ۱۹۹۴ء کو ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا اور ۵ دن کے

---

[1] طلوع افکار۔ کراچی۔ جولائی ۱۹۹۴ء، ص ۱۷۔

بعد، جولائی کو ان کی وفات ہوئی۔ شور صاحب جب گجرات اور فیصل آباد میں تھے تو حیدرآباد کے مشاعروں میں شرکت کے لیے تشریف لاتے تھے۔ یہاں حافظ مبارک علی مرحوم کے مکان میں ان کا قیام رہتا تھا لیکن مجھ سے ملنے کے لیے یونیورسٹی میں ضرور قدم رنجہ فرماتے تھے[1]۔

یہاں تک تو ان کے عام حالات عرض کیے گئے۔ ان کے بچپن اور نوعمری کی چند باتیں بھی عرض کرنا بے محل نہ ہوگا۔ وہ بہت نازک اندام اور نازک مزاج تھے۔ ذرا میں خوش اور ذرا میں ناراض ہو جاتے تھے۔ اپنے بچپن کے دوست عبدالرحمٰن خالدی (جو بعد میں علی گڑھ میں کیمسٹری میں پی ایچ ڈی ہوئے) اور علاؤالدین قاضی (جو بعد میں امراؤتی کے مشہور وکیل ہوئے) ان سے دور ہو گئے تھے۔ کالج میں بھی پروفیسر سنہا (جونیئر) ان سے گھبراتا تھا۔ وہ نہایت خلوص اور محبت سے باتیں کرتے کرتے (شعر گوئی میں استغراق کی وجہ سے ایک دم خاموش ہو جاتے تھے۔ عزیزی ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ۱۹۸۴ء میں ان کے متعلق لکھا تھا کہ "پروفیسر منظور حسین شور اپنی شخصیت اور زندگی کی ظاہری صورتوں میں نہ صرف اپنے گردوپیش سے بلکہ کبھی کبھی اپنی ذات وصفات سے بھی لاتعلق سے معلوم ہوتے ہیں، وہ کسی عالم میں بھی ہوں عموماً اپنے ہی عالم میں رہتے ہیں۔ چنانچہ بھری محفل میں اکثر تنہا نظر آتے ہیں......"

شور صاحب نے بچپن ہی میں شاعری (بلکہ عاشقی) شروع کی تھی۔ موسیقی بھی سیکھی تھی۔ خوب لکھتے تھے اور خوب پڑھتے تھے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض مشاعروں میں وہ کئی کئی گھنٹے

---

[1] راقم الحروف کراچی آکر ۱۹۴۸ء میں اسلامیہ کالج میں اور ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۶ء تک اردو کالج میں (اور یونیورسٹی کی بھی ایم اے کلاس) پڑھاتا رہا۔ پھر ۱۹۵۶ء سے ۱۹۷۲ء تک سندھ یونیورسٹی میں پروفیسر اور صدر شعبہ رہا۔ ریٹائر ہونے کے بعد چار سال کی توسیع ملازمت بھی ہوئی۔

اپنا کلام زبانی سناتے تھے۔ ملک کے مختلف شہروں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور نیاز فتح پوری کے رسالہ نگار کے لیے اپنی غزلیں اور نظمیں برابر بھیجا کرتے تھے۔ ان کے کلام کے مجموعے یہ ہیں۔

نبض دوراں (۱۹۵۹ء)۔ دیوار ابد (۱۹۶۹ء) یہ مجموعہ انھوں نے راقم الحروف کے نام (اقبال کے ایک شعر کے ساتھ) معنون کیا تھا۔ سواد سیم تناں (۱۹۸۳ء)، صلیب انقلاب (۱۹۸۵ء)۔ میرے معبود (طویل نظم ۱۹۸۴ء)

زیر طبع مجموعے:۔ حشر مرتب (غزلیات)۔ ذہن وضمیر (رباعیات)[1]۔ انگشت نیل (تنقید) افکار و اعصار (نثری ادب)۔ اندر کا آدمی (نفسیاتی مضامین)......

اللہ بخشے عجیب خوبیاں تھیں......

ان کا ایک ہی خط محفوظ رہ گیا ہے۔ اس کا عکس پیش کیا جاتا ہے۔

۹۱۷/۲۴ فیڈرل بی ایریا، کراچی
۳۰ دسمبر ۱۹۸۶ء

برادر محترم ڈاکٹر صاحب زاد الطافکم

سلام علیکم! ماسٹر عثمان صاحب کی وساطت سے "نگارش عالیہ" ہمارا علم و ادب" کی ایک جلد موصول ہوئی، ایک شخص نے میرے مطبوعہ تین شعری مجموعات سے جمالیاتی مزاج کی منظومات کو ایک جگہ جمع کر کے کتاب کی شکل دیدی۔ اس کتاب میں آتش کی جوانی سے لیکر کل تک جمالیاتی مزاج کی نظمیں بڑی تعداد میں ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں، ہر چند یہ نگارش اس قابل نہیں کہ آپکو پیش کیجائے تاہم ع ہر کہ خواند دعا طمع دارم کہتے ہوئے "سواد سیم تناں" کی ایک جلد ارسال خدمت کر رہا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو صحت اور درازیٔ عمر عطا فرمائے، آمین۔ آپکا بھائی

منظور حسین شور

---

[1] محترم ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے ہماری زبان (دہلی ۱۵ نومبر ۱۹۹۴ء) میں "کچھ چراغ اور بجھے" کے عنوان سے ایک مضمون شایع کیا ہے، جس میں شور مرحوم کی تصانیف کا بھی ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "ذہن وضمیر" ان کی آخری کتاب ہے جو

ادبیات

ماہ صیام آہی گیا

از جناب وارث ریاضی صاحب۔

ماہِ نو پھر لے کے رحمت کا پیام آہی گیا
مژدہ باد اے مومنو! ماہِ صیام آہی گیا

ہوگئے ہیں بند پھر دوزخ کے دروازے تمام
پھر وہ شیطانِ لعیں" بھی زیرِ دام آہی گیا

آگیا پھر ماہِ رحمت، کھل گئے ابوابِ خلد
پھر گنہگاروں کی بخشش کا پیام آہی گیا

پھر جبینِ شوق ہے بیتاب سجدوں کیلئے
پھر وہ ہنگامِ دعائے صبح و شام آہی گیا۔

کوئی مصروفِ تلاوت ہے، کوئی محوِ نماز
پھر خدا سے ہمکلامی کا مقام آہی گیا

"صوم ہے میرے لیے اور میں ہوں خود اسکی جزا"
پھر یہ پیغامِ خدا بندوں کے نام آہی گیا

آگئی پھر عالمِ اسلام میں فصلِ بہار
پھر وہ دورِ اہتمامِ جشنِ عام آہی گیا

بادۂ وحدت سے ہے معمور ہر صائم کا دل
ساقیِ میخانۂ وحدت بہ جام آہی گیا

وہ مبارک ماہ اترا جس میں قرآنِ حکیم
وہ مبارک ماہ باصد اہتمام آہی گیا

ہوگئی وارثؔ دعائے مغفرت میری قبول
اب مرا "ذوقِ پشیماں" میرے کام آہی گیا

باب التقریظ والانتقاد

رسالوں کے خاص نمبر اور نئے رسالے

نقوش (سالنامہ) شمارہ ۱۴۱، مرتبہ جناب جاوید طفیل صاحب، صفحات ۵۵۹، کاغذ وطباعت عمدہ، قیمت ۱۵۰ روپے (مجلد) ۱۰۰ روپے (غیر مجلد) پتہ: اردو بازار لاہور

علم و ادب کے شیدائیوں اور اردو زبان کے قدردانوں کے لیے نقوش کا نام محتاجِ تعارف نہیں، اس کے متعدد نہایت ضخیم علمی و ادبی خاص نمبر شایع ہوچکے ہیں، اس کے اس سالنامہ میں تذکرہ آنند رام مخلص (ڈاکٹر نثار احمد فاروقی)، تاریخ اسلام کے اہم موڑ (ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی) غالب کے تین خطوط (ڈاکٹر سید معین الرحمٰن)، ترقی پسند تحریک اور پروفیسر احتشام حسین (ڈاکٹر فرمان فتح پوری) سیرت طیبہ پر بیسویں صدی کے مستشرقین کی تصنیفات (ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی) وغیرہ متنوع علمی تحقیقی و ادبی مقالات کے ساتھ حمد، نعت، دعا، غزل اور رباعیات کا بھی عمدہ انتخاب پیش کیا گیا ہے، علاوہ ازیں دو سفرنامے، منتخب افسانے اور ادبی کتابوں پر تبصرے بھی اس میں شامل ہیں۔

اس طرح یہ نمبر بھی نقوش کی سابقہ روایت کا حامل اور اصحاب علم و ادب کے لیے گنجِ گراں مایہ ہے۔

تحقیق: مرتبہ جناب ڈاکٹر نجم الاسلام، صفحات ۴۸۸، قیمت ۶۰ روپے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، پتہ: شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی، نیو کیمپس، جامشورو۔

سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کا سالنامہ "تحقیق" مفید علمی تحقیقی مضامین پر مشتمل

ہوتا ہے' اس وقت ہمارے پیش نظر اس کا ساتواں شمارہ ہے، اس میں گوشۂ نذیر احمد کے عنوان سے ڈاکٹر نذیر احمد، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چار فاضلانہ مقالات کے علاوہ مولانا عبدالصمد عاجز (ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں) آثار غالب (ڈاکٹر مختارالدین احمد) دوہے کا فن (ڈاکٹر الیاس عشقی)، شاہ عالم ثانی کی نثر (ڈاکٹر نجم الاسلام) جیسے بیش قیمت اور مفید مضامین درج ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا ایک مقدمہ "کچھ تحقیق کے متعلق" خاصے کی چیز ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد اور ڈاکٹر مختارالدین کے متعدد طویل خطوط سے یہ شمارہ مزین ہے۔ ڈاکٹر مختارالدین احمد نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ،

"علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا حمیدالدین فراہی' دونوں عالم تو تھے لیکن خاص طور پہ حدیث کے ماہر نہ تھے"۔

ممکن ہے اس سے ان کی مراد روایتی انداز کے ماہر حدیث ہو ورنہ یہ حضرات احادیث پر گہری نظر رکھتے تھے اور جب یہ تسلیم ہے کہ وہ عالم تھے تو اس کا مطلب خود بخود یہ نکلا کہ وہ دوسرے فنون کی طرح حدیث میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کا سفرنامہ پُر از معلومات ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام کی محنت و سلیقہ کا اندازہ ہر شمارہ سے ہوتا ہے۔ اس علمی مجلہ کی اشاعت پر وہ اور سندھ یونیورسٹی کا شعبۂ اردو قابل مبارکباد ہے۔

المعارف : مرتبہ جناب رشید احمد جالندھری' صفحات ۱۹۴، بشمول حصہ انگریزی قیمت ۲۰ روپے' کتابت و طباعت' بہتر' پتہ: ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲۔ کلب روڈ' لاہور

رسالۂ ثقافت (لاہور) نے اب نئے قالب میں جنم لیا ہے اور وہ المعارف کے نام سے نئی سج دھج میں شایع ہو رہا ہے' ایک شمارہ میں فکر اسلامی کے ارتقاء میں قرآن مجید کا حصہ (سید ابوالخیر مودودی) وقیع مقالہ ہے مگر نا تمام ہے، ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے کوئی صاحب علم

اسے مکمل کر دیں تو یہ مفید علمی و قرآنی خدمت ہوگی۔ ڈاکٹر منظور احمد کے مقالہ "مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی" میں بہار اکر وار(؟) کو خاص اہتمام سے شایع کیا گیا ہے، جبکہ اس میں کی گئی روایت پسندی کی تعریف محل نظر ہے، مختلف متضاد تنظیموں کو یکساں قرار دینا بھی درست نہیں ہے، اسی طرح اقبال اور سرسید کو ہم آہنگ قرار دینے کی کوشش بھی محض تکلف ہے، مقالہ نگار کے ذہنی اضطراب کا اندازہ اس خلاصہ ہی سے ہوتا ہے۔

"وہ فکری بنیاد جس پر معاشی ترقی' تصوراتی ارتقاء اور تکنیکی ترقی ممکن ہے...... یہ ہے کہ قرآن کریم اور سنت کی تفہیم کے روایتی اور خوشہ چینی طریق کار کو چھوڑ کر اس پر نئے سرے سے نظر ڈالی جائے' ان دونوں کو عمومی ہدایت کا سرچشمہ نہ سمجھا جائے بلکہ ہدایت خاصہ کا منبع و ماخذ سمجھ کر اس سے عموم کو اخذ کیا جائے پھر اس عموم سے آج کل کے حالات کے مطابق احکام اور قوانین بنائے جائیں"۔ اس میں شبہ نہیں کہ مجلہ بلند پایہ مضامین پر مشتمل ہوتا ہے اور اس کے موجودہ اڈیٹر سے یہ توقع بیجا نہ ہوگی کہ وہ اسے "تجدد پسندی" کی لہر سے محفوظ رکھیں گے۔

ماھنامہ الحق : (شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر) مرتبہ مولانا سمیع الحق صفحات ۱۲۰۰، کاغذ کتابت و طباعت' عمدہ' قیمت درج نہیں۔ پتہ: مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ' اکوڑہ خٹک نوشہرہ (سرحد)

دارالعلوم حقانیہ' اکوڑہ خٹک کے بانی و مہتمم مولانا عبدالحق کی یادگار میں یہ ضخیم نمبر شایع کیا گیا ہے، جس میں ان کی زندگی کے اکثر پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے' ابتداء میں افغانستان کے صدر و وزیراعظم اور بعض اہم قائدین کے تعزیتی بیانات بھی شامل ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان سے مولانا عبدالحق کے قریبی مراسم تھے، تکرار کی وجہ سے مجلہ کی ضخامت

غیر معمولی طور پر بڑھ گئی ہے جس کو کم کیا جا سکتا تھا۔

سہ ماہی فکر و نظر (ڈپٹی نذیر احمد نمبر) مرتبہ جناب شہریار صاحب

صفحات ۲۲۳، کتابت و طباعت عمدہ، قیمت ۲۸ روپے، پتہ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ڈپٹی نذیر احمد سرسید کے ممتاز رفقا میں تھے جو عربی و اردو دونوں زبانوں کے ماہر تھے ان کی شہرت مترجم قرآن کی حیثیت سے بھی ہے اور اردو کے صاحب طرز ادیب و انشا پرداز کی حیثیت سے بھی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا مجلہ فکر و نظر قابل مبارکباد ہے کہ اس نے نامورانِ علی گڑھ کا ایک مفید سلسلہ شروع کیا ہے جس کا ایک حصہ یہ شمارہ ہے، جس میں نذیر احمد کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو شخصیت، فکشن، اسلامیات، تحریکات اور لسانیات کے عناوین کے تحت واضح کیا گیا ہے، ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری نے خود ان کی تصانیف اور ان پر لکھی جانے والی کتابوں اور مضامین کا اشاریہ مرتب کر کے ایک مفید کام انجام دیا ہے اس سے نذیر احمد پر آیندہ کام کرنے والوں کو بڑی مدد ملے گی۔

نیا دور (اودھ نمبر) مرتبہ جناب سید امجد حسین، صفحات ۱۶۴، کاغذ کتابت و طباعت عمدہ، قیمت سالانہ تیس روپے، پتہ: محکمہ اطلاعات و رابطہ عامہ پوسٹ بکس نمبر ۱۴۶، لکھنؤ۔

حکومت اتر پردیش کے محکمہ اطلاعات و رابطہ عامہ کے مشہور و مقبول اردو ماہنامہ نیا دور نے اودھ نمبر بہت آب و تاب سے شایع کیا ہے جو اودھ کی ادبی و لسانی خصوصیات اور اس کے تہذیبی و سماجی اثرات پر مفید اور معیاری مضامین کا مجموعہ ہے، پروفیسر محمد حسن (لکھنؤ کے معاجر ادب پر ایک نظر) عشرت علی صدیقی (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اودھ کا محاذ) پروفیسر ولی الحق انصاری (فرنگی محل کی علمی، ادبی اور سیاسی خدمات) اور

ڈاکٹر کاظم علی خاں (اودھ میں اردو شاعروں کی آخری آرام گاہیں) وغیرہ مضامین سے اس کی قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے۔

اس جاذب نظر اور معلوماتی نمبر کی اشاعت پر اس کے مرتب اور محکمۂ اطلاعات اتر پردیش ستایش کے مستحق ہیں

ماہنامہ ہدایت: مولانا شاہ عبد الرحیم مجددی نمبر، مرتبہ مولوی محمد ضیاء الرحیم مجددی، صفحات ۲۱۶، قیمت ۱۰۰ روپے سالانہ، پتہ: پوسٹ بکس نمبر ۳۵ جے پور پن کوڈ نمبر ۳۰۲۰۰۱۔

ماہنامہ ہدایت ابھی حال ہی میں مطلع صحافت پر نمودار ہوا ہے جو جامعۃ الہدایۃ جے پور کا ترجمان ہے، یہ شمارہ جامعہ کے موسس و بانی مولانا شاہ عبد الرحیم مجددی کی یادگار میں انکو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے شایع کیا گیا ہے، جو مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور دار العلوم ندوہ اور دوسرے مدارس کے فضلاء کی تحریروں سے مزین ہے، مولانا عبد الرحیم صاحب نے بہت قلیل عرصہ میں جامعۃ الہدایۃ کو غیر معمولی ترقی دے کر ایک عدیم المثال کارنامہ انجام دیا تھا، توقع ہے کہ ان کی یادگار میں شایع ہونے والا مجلہ بھی ترقی کی منزلیں جلد طے کرے گا۔

ماہنامہ البدر: (مولانا عبد الحلیم فاروقی نمبر) مرتبہ جناب عبد العلی فاروقی، صفحات ۲۲۴، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۲۵ روپے، پتہ: دار العلوم فاروقیہ، کاکوری، لکھنؤ۔

مولانا عبد الشکور لکھنوی کے خانوادہ کے گل سرسبد مولانا عبد الحلیم فاروقی جو دار العلوم فاروقیہ کے بانی و مہتمم بھی تھے ان کی یادگار میں یہ شمارہ شایع کیا گیا ہے۔ ان کے لائق فرزند

مولانا عبدالعلی فاروقی نے اسکو بڑے سلیقہ سے مرتب کیا ہے۔

ماہنامہ رفیق منزل (تعلیمی رہنما نمبر) مرتبہ مولوی ایاز احمد اصلاحی صفحات ۱۰۰، قیمت ۲۵ روپے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، پتہ: ۲۳۰۰ ابوالفضل انکلو، اوکھلا نئی دہلی نمبر ۱۱۰۰۲۵۔

امتحانات خاص طور پر مقابلہ کے امتحانوں کی تیاری اور داخلہ کی سہولت کی جانچ اس نمبر میں مفید معلومات جمع کردی گئی ہیں، مسلمان طلبہ کے لیے یہ خاص طور پر بہت کارآمد ہے۔

اسلامک موومنٹ (کانفرنس نمبر) مرتبہ عبدالرب اثری فلاحی، صفحات ۴۵، قیمت سالانہ ساٹھ روپے، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، پتہ: ۱۵۱، سی ۷ ذاکر نگر نئی دہلی ۲۵۔

ہندوستان میں اسلام پسند طلبہ کی ایک تنظیم ایس آئی ایم نے حال ہی میں الٰہ آباد میں ایک کانفرنس منعقد کی تھی، اس شمارہ میں اسی کی تفصیلات ہیں۔

نئے رسالے

سہ ماہی احوال و آثار: مرتبہ نور الحسن راشد کاندھلوی، صفحات ۱۲۰، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۰ روپے، پتہ: مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، مولیان، کاندھلہ مظفر نگر (یوپی)

مغربی یوپی میں مظفر نگر، دیوبند اور سہارنپور کے اضلاع کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان میں بکثرت صوفیہ و علماء پیدا ہوئے، جن کے حالات و کمالات کو منظر عام پر لانے کے لیے اس مجلہ کا اجرا عمل میں آیا ہے۔

دانشور: مرتبہ مولانا افضال الحق قاسمی، تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۴۰، قیمت سالانہ ۵۰ روپے، پتہ: دارالعلوم رسولپور، گورکھپور۔

مولانا افضال الحق قاسمی کی زندگی درس و تدریس میں گزری، لیکن وہ اچھے اہل قلم اور

شاعر بھی ہیں، ان کے ذوق میں بڑا تنوع ہے اور وہ ہر قسم کے مضامین لکھتے ہیں جس کا نمونہ یہ رسالہ ہے، جس کے اکثر مضامین انہی کے قلم سے ہوتے ہیں، ان کے بعض اصلاحی، تعلیمی اور قومی و ملی خیالات دانشوروں کے لیے قابل غور ہوتے ہیں۔

ماہنامہ ترجمان دارالعلوم جدید: مرتبہ افضال الحق جوہر قاسمی، صفحات ۴۸، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، قیمت ۵ روپے، پتہ: ۱۱/۲۱ جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵۔

یہ رسالہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء و ابنائے قدیم کی انجمن کا ترجمان ہے جو ہلکے پھلکے متنوع اور مفید مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔

سہ ماہی دل کی آواز: مرتبہ ڈاکٹر مختار احمد اصلاحی، صفحات ۴۸، کاغذ، کتابت و طباعت، غنیمت، قیمت ۱۰ روپے، پتہ: شیخ نگر، قصبہ صبن پور اعظم گڑھ (یوپی)

اس نئے رسالہ میں مختصر سبق آموز مضامین کے علاوہ مفید طبی مضامین بھی شایع ہوتے ہیں، مگر اس کی قیمت زیادہ ہے۔

ماہنامہ السراج: مرتبہ مولوی شمیم احمد و عبدالمبین ندوی صاحبان صفحات ۴۴، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، قیمت ۵۰ روپے سالانہ، پتہ: جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈا نگر، پوسٹ بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر، یوپی۔

جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر نیپال کا ایک اہم علمی و دینی مدرسہ ہے جو جمعیۃ اہل حدیث کے مشہور خطیب و عالم مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی کی سرپرستی میں مفید تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے، اب ان کی رہنمائی میں مدرسہ نے یہ ماہنامہ نکالا ہے جو مفید اور سنجیدہ مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، امید ہے کہ جوان سال مدیروں کی محنت سے رسالہ برابر ترقی کرتا رہے گا۔

مطبوعات جدیدہ

سخنہائے تحقیق

از جناب ڈاکٹر محمد منصور عالم، تقطیع متوسط، کاغذ اور کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۲۰۰، قیمت ۹۰ روپے، پتہ: بک امپوریم سبزی باغ، پٹنہ ۴

یہ کتاب فاضل مولف کی دس تحریروں کا مجموعہ ہے، ان میں سے بعض میں اردو تحقیق کی رفتار اور اس کے مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے اور کچھ مضامین مولانا حالی، مولانا سید سلیمان ندوی قاضی عبدالودود وغیرہ سے متعلق ہیں، مگدھی اردو پر بھی ایک مضمون ہے، اور دو کتابوں پر انکے تبصرے بھی اس میں شامل ہیں مجموعی طور پر ان تمام کا تعلق اردو تحقیق ہی سے ہے جس کے متعلق انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ "اردو میں تحقیق نے ترقی کم کی ہے، معیار زیادہ اونچا کیا ہے" معیار کی بلندی کا سہرا ان کے نزدیک ان محققین کے سر ہے جو فارسی زبان وادب پر عبور رکھتے تھے انہوں نے علامہ شبلیؒ کے متعلق لکھا کہ اردو میں ادبی تحقیق کی راہ پہلی بار انہوں نے ہی ہموار کی اور شیرانی صاحب کو فارسی شاعری پر مزید تحقیقات کا میدان شعرالعجم پڑھ کر ہی نظر آیا، احوال حالی میں انہوں نے مولانا حالی کے خود نوشت سوانح کے متعدد ناقلین کے اختلاف نقل کا جائزہ لیا ہے قاضی عبدالودود کے مقالات کا اشاریہ بہت مفید ہے۔ البتہ قاضی صاحب کی حمایت و مدافعت میں ان کے محتاط و شائستہ قلم میں یک گونہ تیزی آگئی ہے، ڈاکٹر گیان چند جین کو صحت و سنجیدگی کی ضد میں بے نظیر کہنا اس کی ایک مثال ہے۔ ایک جگہ انہوں نے مولانا سید سلیمان ندوی کے مشہد اکبر کی جگہ شہید اکبر لکھ دیا ہے، شایع شدہ کی جگہ موضوعہ کے لفظ میں اختراع تو ہے لیکن اس کی غرابت واضح ہے۔

مکتوبات نعمانی

بنام آخون عزیز الٰہی حسن پوری مرتبہ جناب مولانا محب الحق متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ اور کتابت وطباعت، صفحات ۱۷۶، قیمت درج نہیں، پتہ: کتبخانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی۔ ۶

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب الفرقان طبقہ علماء میں ممتاز و نمایاں ہیں ان کے قدردان اور رتبہ شناس بڑی تعداد میں ہیں، جن میں اس مجموعہ مکاتیب کے مکتوب الیہ بھی ہیں نجی اور ذاتی حیثیت کے علاوہ ان خطوط میں مذہبی اور علمی اور معاصر حالات و واقعات کے متعلق ایسے عمدہ اور لطیف نکات موجود ہیں جن میں مکتوب الیہ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی افادیت اور سامان بصیرت ہے، فاضل مرتب نے ان کو یکجا اور شایع کرکے ایک مستحسن فریضہ کو پورا کیا ہے، شروع میں مولانا نعمانی اور آخون حسن پوری کے سوانح بھی پیش کردیے گئے ہیں۔

ارمغان آزاد

از جناب ڈاکٹر ظہور الدین، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۱۱، قیمت ۱۲۰ روپے، پتہ: انجمن ترقی اردو، اردو گھر ۲۱۲ راؤز ایونیو، نئی دہلی ۲-۱۱۰۰۰۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد اپنی شاعری اور علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ کے شارح و ترجمان کی حیثیت سے محتاج تعارف نہیں، ان کی خدمات کو ہند و بیرون ہند میں قدر کی نظر سے دیکھا گیا اور اعزاز و اکرام کی صورت میں اعتراف بھی کیا گیا، ۱۹۹۰ء میں جموں یونیورسٹی کے ایک جلسہ اعزاز میں ان کی شخصیت و خدمات پر مضامین و مقالے پڑھے گئے، جن کو اس کتاب میں یکجا کردیا گیا ہے، ایک مضمون کے علاوہ تمام مضامین جموں و کشمیر کے اہل قلم کی نگارشات ہیں اور ان سے پروفیسر آزاد کی شخصیت کے گویا تمام گوشوں کا احاطہ کرلیا گیا ہے، ایک جگہ بجائے محمد ایوب واقف کے محمد یوسف واقف لکھدیا گیا ہے۔

کھٹے میٹھے انار از جناب شاہ محی الحق فاروقی، متوسط تقطیع، کاغذ کتابت وطباعت بہترین، مجلد، صفحات ۱۴۸، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: شاہ محی الحق فاروقی ۵-اے ۶/۴۱، ناظم آباد، کراچی، پاکستان۔

یہ کتاب دس مزاحیہ و طنزیہ تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس کے لائق مولف کا تعلق مشرقی یوپی کے ایک شریف خانوادہ سے ہے، ان کی ابتدائی زندگی کا ایک حصہ اعظم گڈھ کے شبلی کالج اور دارالمصنفین میں بھی گزرا، ترک وطن کے بعد وہ پاکستان میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ ان کی زندگی کے تجربات و مشاہدات میں تلخی کے بجائے مزاح و ظرافت کی شیرینی شامل ہے، ان کی یہ تحریریں لبوں کو تبسم دینے کے علاوہ ذہن کو انسانی زندگی کے کرب کی کیفیات سے بھی آشنا کرتی ہیں، ایک جگہ انہوں نے لکھا کہ "دعا ہے اللہ تعالیٰ میرے اس مجموعہ کو انارکی اور اس کے ہر ہر مضمون کو دانہ کی خاصیت عطا فرمائے، آمین کے ساتھ ہم ہم احتیاطاً بجائے انارکی کے انار جیسی ہی کہیں گے۔

سیاحت نامہ روس مترجمہ جناب شیخ نذیر حسین صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۷۲، قیمت درج نہیں، پتہ: ادارۂ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور۔

عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے حکم سے چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں بغداد سے جو قافلہ سیاحت کے لیے گیا تھا، وہ روس بھی پہنچا تھا، اس کے قافلہ سالار احمد بن فضلان نے اس کا جو سفرنامہ تحریر کیا تھا اس میں سفر کے دلچسپ اور عجیب و غریب مشاہدات کے علاوہ اس زمانے کے غیر مہذب ترکستانی اور روسی اقوام و قبائل کے عادات و رسوم وغیرہ کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں نقشہ کے ذریعہ ابن فضلان کے سفر

کی منزلیں دکھائی گئی ہیں جس سے اس کا فائدہ دوچند ہوگیا ہے، اردو والوں کو جناب شیخ نذیر حسین صاحب مدیر اردو انسائیکلوپیڈیا کا ممنون ہونا چاہیے کہ انہوں نے اس دلچسپ اور پُر از معلومات سفرنامہ کو اردو میں منتقل کیا۔

آئینے از میاں مردم شناس، چھوٹی تقطیع، کاغذ اور کتابت وطباعت بہتر، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۰۸، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: مکتبہ البدر، کاکوری، لکھنؤ، ۲۲۷۱۰۰۔

کاکوری سے شایع ہونے والے رسالہ البدر کے ایک مستقل کالم میں میاں مردم شناس اپنے چہرہ کو مستور رکھ کر زندگی کی تلخ و شیریں سچائیوں کو اپنے آئینہ میں بڑی صفائی سے دیکھتے اور دکھاتے ہیں، ان کے بعض کردار" جیسے صوفی دل قرار، قلزم صاحب، مرزا دلدار بیگ، مرزا جمن اور خود ان کی اہلیہ، تجلی مرحوم کے مسجد سے میخانہ تک کی یاد دلاتے ہیں، اس کتاب میں ایسی ہی چند جھلکیوں کو جمع کرکے گویا آئینہ خانہ بنا دیا گیا ہے۔

ندرت کلام تاج پیامی از جناب شاہ فضل امام واقف آروی، صفحات ۱۱۲، قیمت ۱۰ روپے، پتہ: تاج پیامی، دارالادب، مہادیوا محلہ، آرہ، بہار۔

جناب تاج پیامی کہنہ مشق ادیب و شاعر ہیں، دو شعری مجموعوں کے علاوہ افسانہ و تنقید میں بھی انکی متعدد کتابیں شایع ہوچکی ہیں، اس کتاب میں انکی شاعری کے محاسن پر تین مضامین کے علاوہ ان کے کلام کا انتخاب بھی دیا گیا ہے۔

حدیثی اصول از مولانا وجیہ الدین احمد خاں قادری، صفحات ۹۶، قیمت ۱۵ روپے، پتہ: ادارہ نشر و اشاعت، مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ، حسن گنج، رام پور، یوپی۔

مولانا شاہ وجیہ الدین خاں رامپور کے مشہور عالم تھے، عرصہ تک انہوں نے مدرسہ فرقانیہ میں حدیث کا درس دیا، طلبہ کی ضرورت کے پیش نظر انہوں نے اصول حدیث کی متعدد کتابوں

کے مطالعہ کے بعد علم حدیث کے مبادی و اصطلاحات کی تشریح میں یہ رسالہ مرتب کیا، اس کی افادیت آج بھی مسلم ہے۔

بوسنیا و ہرزیگووینا از جناب مولانا محمد عارف عمری، صفحات ۲۵، قیمت ۳ روپے، پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۶۔

مشرقی یورپ کی اس مظلوم مسلم ریاست میں جدید صلیبیوں کے ظلم و ستم نے پوری دنیا کو اضطراب و تشویش میں مبتلا کر دیا، لیکن عموماً اس خطہ کے تاریخی، جغرافی اور تہذیبی حالات سے عام اردو داں طبقہ ناآشنا تھا، لایق مولف نے اسی ضرورت کے پیش نظر معارف میں ایک مفصل مقالہ سپرد قلم کیا تھا، جسے اب افادہ عام کی غرض سے رسالہ کی شکل میں شایع کر دیا گیا ہے۔

بین الاقوامی و اسلامی جغرافیہ از جناب مولوی محمد الیاس بھٹکلی ندوی، صفحات ۸۸، قیمت ۱۰ روپے، پتہ: مکتبۃ الحسنات، ۴۲۲۱ کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲۔

مدارس خصوصاً عربی مدارس کے طلبہ کے لیے جغرافیہ کا جامع نصاب بنانے کی شدید ضرورت ہے، یہ کتاب اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے سلیقہ و محنت سے مرتب کی گئی ہے، کائنات، نظام شمسی، کرۂ ارض کی تفصیلات اور جغرافیائی اصطلاحات کے علاوہ ہر براعظم کے ملکوں کی آبادی ان کے مشہور شہر، زبان، مذہب کی تفصیلات کو جمع کر دیا ہے، خاص طور پر ان تمام ملکوں میں مسلم آبادی کے تناسب کو بھی واضح کیا گیا ہے اور نقشے بھی دیے گئے ہیں۔

قاعدہ عرشی زادہ از جناب اکبر علی خاں عرشی زادہ، قیمت ۳ روپے، پتہ: مولانا عرشی فاؤنڈیشن ۹ بستی نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳۔

دینی مدارس کے بچوں کے لیے بیک وقت اردو اور عربی حرف شناسی کے لیے ایک سہل اور مفید قاعدہ ہے۔ جو پذیرائی کے لائق ہے۔ ع۔ ص۔

تصنیفات علامہ شبلیؒ و علامہ سید سلیمان ندویؒ

علامہ شبلیؒ	قیمت	علامہ سید سلیمان ندویؒ	قیمت
سیرۃ النبیؐ اول	۶۵—..	سیرۃ النبیؐ سوم	۱۲۵—..
〃 دوم	۵۰—..	〃 چہارم	۱۲۵—..
الفاروق	۹۵—..	〃 پنجم	۶۰—..
المامون	۵۰—..	〃 ششم	۱۲۵—..
الکلام	۵۰—..	〃 ہفتم	۳۵—..
علم الکلام	۳۵—..	خطبات مدراس	۲۵—..
اسلام اور مستشرقین چہارم	۴۰—..	الرسالۃ المحمدیہ (ترجمہ خطبات مدراس عربی)	۴۰—..
شعر العجم اول	۴۰—..	رحمت عالم	۱۰—..
〃 دوم	۳۵—..	تاریخ ارض القرآن دوم	۳۰—..
〃 سوم	۲۵—..	عرب و ہند کے تعلقات	۷۵—..
〃 چہارم	۳۵—..	سیرت عائشہؓ	۴۰—..
〃 پنجم	۲۵—..	حیات شبلیؒ	۹۰—..
کلیات شبلی اردو	۲۵—..	یاد رفتگاں	۵۰—..
مکاتیب شبلی اول	۴۰—..	رسالہ اہلسنت والجماعت	۱۰—..
〃 〃 دوم	۳۰—..	اسلام اور مستشرقین پنجم	۲۵—..
مقالات شبلی (مکمل سیٹ)	۲۲۰—..	دروس الادب اول	۵—..
		دوم	۵—..
خطبات شبلی	۲۵—..	شذرات سلیمانی	۴۵—..
		برید فرنگ	۲۵—..
انتخابات شبلی	۲۵—..	نقوش سلیمانی	۶۰—..
		خیام	۶۵—..
....	....	مقالات سلیمان سوم	۴۵—..